Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

سوانح حیات
حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

اور

عبداللہ شاہ اصحابی ٹھٹھہ، عبداللہ شاہ غازی کراچی
شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور مکلی ٹھٹھہ
کے مشہور اولیاء اللہ کا مکمل بیان!

فیضِ نظر

حضرت الحاج شاہ مانا میاں صاحب قادری چشتی
(پیلی بھیتی)

ناشر

امین برادرس
ناشران و تاجران کتب پوسٹ بکس ۵۴۱ آرام باغ روڈ نزد حبیب بنک کراچی

ھدیہ 25/-

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

پاک و ہند میں اولیاء اللہ کے کارنامے اور اشاعت اسلام کے لئے اِن کی عظیم کوششیں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے کسی بھی گوشہ پر آپ نظر ڈالیں تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی جلائی ہوئی شمعِ اسلام وہاں روشن نظر آئے گی۔ البتہ یہ بات باعث افسوس ہے کہ ان عظیم بزرگوں کی عظیم تر خدمت کو بڑی حد تک بھلا یا گیا اور ان کے حالات زندگی اور ان کی خدمات کو قلم بند کرنے کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اِسی خیال کے پیش نظر میں اب تک حضرت صابر کلیریؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ اجمیریؒ کے حالات شائع کر چکا ہوں اور اب حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ حضرت قلندرؒ صاحبؒ کی مکمل زندگی اور آپ کے تمام کارنامے اس میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت عبداللہ شاہ غازی کراچی اور ٹھٹھہ کے تمام مشہور اولیاء اللہ کا بیان بھی شاملِ کتاب کر دیا گیا ہے۔

میں حضرت مانامیاں صاحب قادری چشتی مدظلہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحب موصوف کے فیضِ نظر سے مَیں اِس کتاب کو چھاپنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ پڑھنے والے حضرات پسند فرمائیں گے اور دُعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

خادم اولیاء اللہ :-

وہاج الدین قریشی۔ امین برادرس کراچی (پاکستان)

تعارف

شمس الفیوض (۱۳۲۷ھ) حضرت الحاج شاہ ماناؔمیاں صاحب قادری چشتی مدظلہ العالی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پاک و ہند میں آپکے عقیدتمندوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے اور ان میں سبھی اپنی اپنی جگہ دین اسلام کو تقویت پہونچانے میں مصروف و مشغول ہیں۔

اسلام میں بزرگی اور بڑائی کا دارومدار نیکی اور اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر رکھا گیا ہے۔ جو جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بزرگ ہے۔ اللہ والوں کی ذات سے اسلام کے قیام اور اس کی اشاعت کو جو تقویت پہنچی وہ بزرگوں کی سوانح حیات پڑھنے سے اچھی طرح معلوم ہوجاتی ہے۔ کسی نے اس سلسلہ میں بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ ؏ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔!

حضرت شاہ ماناؔمیاں صاحب قبلہ ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ میں بمقام پیلی بھیت پیدا ہوئے۔ آپکا تاریخی نام شمس الفیوض ہے۔ والد ماجد کا نام ابوالفضل سلطان الواعظین مولانا شاہ عبد الاحد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جو قادریہ سلسلہ میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی مشہور خلیفہ تھے۔ آپنے ۱۳ شعبان ۱۳۵۲ھ میں وفات فرمائی۔ گنج مرادآباد میں آپکا مزار ہے۔ حضرت ماناؔمیاں صاحب پیلی بھیت میں اپنے جدامجد حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں اور اللہ کی مخلوق کو اسلام اور تصوف کی تعلیم سے آراستہ فرمارہے ہیں۔ آپ علوم دین کے عالم ہیں۔ مدتوں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور اب حال یہ ہے کہ۔ ؏ جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے اُسے صاف دل سے بھلا دیا۔ ۱۹۵۷ء کے ماہ اکتوبر میں دوسری مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے اُسوقت ایک ہفتہ خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا۔ جب سے ابتک تحریری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دیدار کی سعادت کب حاصل ہوتی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ؏ "راہ میں ہم ملیں کہاں ۔ بزم میں وہ بلائیں کیوں"؟

حضرت قبلہ کے چھوٹے بھائی جناب فضل احمد صاحب صوفی کراچی میں مقیم تھے اور شروع ہی میں پاکستان قائم ہونیکے بعد آگئے تھے مگر موت نے زیادہ دن دنیا میں رہنے کا موقع نہیں دیا اور مرحوم ۲ صفر ۱۳۶۸ھ (۴ دسمبر ۱۹۴۸ء) کو آخرت کا سفر فرماگئے اور میوہ شاہ کراچی میں دائمی آرام فرمارہے ہیں۔

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سوانح حیات جسے آپ دیکھ رہے ہیں درحقیقت شاہ صاحب

Scanned with CamScanner

قبلہ کے ہی فیض نظر کا اثر ہے اور اسی وجہ سے آپکے نام سے منسوب کی گئی ہے اس مجموعہ میں حضرت قلندر صاحبؒ کے مفصل حالات لکھے گئے ہیں۔ پاکستان میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں اس تفصیل سے قلندر صاحبؒ کی پوری زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں کراچی اور سندھ میں ٹھٹھہ وغیرہ کے اولیاء اللہ کی سوانح شامل کیگئی ہے جسے تذکرہ صوفیائے سندھ اور دوسری کتب سے لیا گیا ہے۔ سندھ میں ٹھٹھہ کو جو تاریخی عظمت حاصل ہے وہ پاکستان کی تاریخ کا بہت قیمتی باب ہے۔ پنجاب میں لاہور وملتان، بنگال میں ڈھاکہ اور سندھ میں کراچی اور ٹھٹھہ کو دیکھنے سے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی پوری پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔

قدیم تاریخ کا اگر سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ دنیا میں سندھ ہی وہ پہلی سرزمین ہے جسپر آفتاب اسلام کی شعاعیں پڑیں اور دورِ اول کے مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت کیلئے اس علاقہ کو منتخب کیا۔ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے سندھ میں مسلمانوں کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ اسکے بعد یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا یہانتک کہ سنہ ۹۳ھ میں حکومت بنی اُمیہ کے دور میں فاتح نوجوان حضرت محمد ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے پورے سندھ کو فتح کرلیا اور ملتان تک اسلامی علم لہرانے لگا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو متحدہ ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہوئے اور وطنی برادری کے اعلیٰ اخلاقی نمونے پیش کرتے ہوئے پاکستان کی بنیاد محمد ابن قاسم نے رکھی تھی اور حسن سلوک کے ایسے نمونے پیش کئے تھے کہ تاریخ میں اُنکی مثال نہیں ملتی ہے۔

مذاہب عالم میں اسلام کے متعلق یہ خیال بڑی حد تک سنجیدہ ذہنوں میں جگہ حاصل کرچکا ہے کہ وہ ظلم وستم کو کسی نوعیت سے بھی پسند نہیں کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کی حمایت، دکھی انسانوں سے ہمدردی، گرتے ہوئے لوگوں کو سہارا دینا اور تمام دنیا کے مسلمانوں سے چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، حسن اخلاق اور بھلائی کے ساتھ پیش آنا اسلام کی بنیادی تعلیم کا اہم جزو ہے۔ ہاں! وہ زمین پر فساد کو جو پُرامن انسانوں کی زندگی کو برباد کردے پسند نہیں کرتا ہے

بزرگانِ دین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اخلاقی زندگی ہندوستان اور پاکستان میں اس بات کی شاہد ہے کہ انہوں نے انسانوں سے حسن محبت کا سلوک کیا ہے اس میں مذہبی تعصب کو کبھی قریب نہیں آنے دیا ہے۔ پاک وہند میں جو مشاہیر فقرائے اسلام اور اولیاء اللہ آرام فرما رہے ہیں ان کے مزارات پر آج بھی عقیدت واحترام کے ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ان کی محبت کا دم بھرتے اور نذرانہ عقیدت پیش کرتے

ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت فقیر کی خانقاہ خدمت انسانیت کا مرکز ہوتی ہے، جہاں محبت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا ہے۔ محبت بھری نظر اپنا اثر دکھاتی ہے اور ایک انسان اسلام کا گرویدہ نظر آنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستہ کیطرف حکمت و دانائی سے بلانیکا طریقہ سب سے پہلے اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ مکّہ اور مدینہ میں حسن اخلاق کے مظاہرے، آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کا حسین و جمیل باب ہے، جسے صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی اپنی کتابوں میں حوالہ قلم کیا ہے۔ اسی پاکیزہ طریقے کو صحابہ کرامؓ نے اپنایا، عمل کیا اور تادم حیات اپنے طرز عمل سے اس کی اشاعت فرماتے رہے۔ اس کے بعد تابعین علیہ الرحمۃ نے اپنے دور میں اسی اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا اور اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف رہے۔ فقرائے اسلام آج بھی جہاں کہیں بھی ہیں حکمت و دانائی اور اپنے اخلاق و حسن سلوک سے اسلام کی اشاعت و خدمت میں مشغول نظر آرہے ہیں۔

تبلیغ اسلام کا یہ اصول جب ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے یا اسکی اہمیت کو بھلا دیا جاتا ہے تو اشاعت اسلام کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور باوجود مسلمانوں کے اقتدار اور ان کی حکومت کے اس سلسلہ میں بڑی حد تک خانہ خالی ہی رہتا ہے۔ اکثر مسلمان بادشاہوں کے دور اقتدار میں اسکی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت و اقتدار کی غرض دنیاوی عیش و جاہ و ثروت کے سوا کچھ نہ تھی۔ برخلاف اسکے اللہ والوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تبلیغ اور خدمت دین و انسانیت کے لئے وقف نظر آتا ہے۔ دولت کے ڈھیر، سامان عیش کی فراوانی، محلات و قصور اور حکومت کے حصول کی جدوجہد، ہر چیز سے ان کی نظریں ہٹی ہوئی تھیں، معمولی لباس و خوراک اور خس پوش مکان میں رہتے ہوئے انہوں نے فساد کو مٹانے اور بھلائیوں کے پھیلانے کے لئے جو کچھ کہا اور جتنا زیادہ کیا بادشاہوں کی زندگی میں اسکا ہزارواں حصہ بھی ڈھونڈے نہیں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب روحوں پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے جن کی کوششوں سے دکھ درد کے مارے انسانوں کو سکون ملا۔ اور اللہ کی معرفت سے ان کے قلوب منور ہوئے۔

وابستۂ دامن محدث سورتیؒ

یکم مئی سنہ ۱۹۷۰ء

قاری احمد پیلی بھیتی

۲ ڈی $\frac{16}{5}$ ناظم آباد کراچی ۱۸

فہرست مضامین لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ !

(بہ فیض نظر حضرت الحاج شاہ مانا میاں صاحب قادری چشتی پیلی بھیتی)

Scanned with CamScanner

پیدائش :

سندھ کے مشہور و مقبول اور قدیم بزرگ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے آخر میں تبریز کے قریب ایک گاؤں مَرْوَند میں ۵۷۳ھ (۱۱۷۷ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حضرت سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ عقیدت مندوں میں یہ روایت عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد سید کبیر نے خواب میں دیکھا تھا کہ قلندروں کی ایک جماعت دف بجا بجا کر گا رہی ہے۔ اور بلند آواز سے کہتی جاتی ہے کہ سید کبیر کا بیٹا قلندروں میں "امیر قلندر" ہو گا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد نے گہوارہ میں آپ کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ میرا خواب سچا تھا اور اس بچے میں ابھی سے قلندرانہ رنگ دکھائی دے رہا ہے :-

اصلی وطن

آپ کا اصلی وطن مَرْوَند تھا۔ اس جگہ کو تاریخ سندھ اور موج کوثر میں میمند بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جگہ تبریز نہیں بلکہ ہرات کے قریب افغانستان کے علاقہ میں واقعہ تھی۔ بعض لوگوں نے اس جگہ کا نام مَرْوَند بھی بیان کیا ہے :-

نسب نامہ :

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت

امام محمد تقی ابن حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔ صوفیائے سندھ کے مصنف نے سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

"حضرت عثمان مروندی المعروف حضرت لال شاہ باز قلندرؒ ابن حضرت سید کبیرؒ ابن حضرت سید شمس الدینؒ ابن حضرت سید نور شاہؒ، ابن حضرت سید محمود شاہؒ ابن حضرت سید احمد شاہؒ ابن حضرت سید ہادی شاہؒ ابن حضرت مہدی شاہؒ ابن حضرت سید منتخب شاہؒ ابن حضرت سید غالب شاہؒ ابن حضرت سید منصور شاہؒ ابن حضرت سید اسمٰعیل شاہؒ ابن امام محمد تقیؒ ابن امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ"۔

امام جعفر صادقؒ

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اہلِ طریقت اور تصوف کے پیشوا تھے آپ کی ذات سے صوفیوں کے خانوادے روشن ہوئے۔ جس سال حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی آپ اس سال ۸۰ھ میں بمقام مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا اور بہت بڑے پائے کے عالم اور امام ہوئے۔ آپ کے دادا صاحب کا نام امام زین العابدینؓ تھا اور وہ کربلا میں اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ۶۱ھ کے محرم میں موجود تھے۔ شادی ہو چکی تھی اور امام محمد باقر صاحبؒ کی عمر چار سال کے قریب تھی۔ کربلا سے یہ دونوں سلامت مدینہ آگئے تھے۔ اور تمام زندگی مدینہ میں رہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اڑسٹھ سال کی عمر میں مدینہ شریف میں وفات پائی جبکہ ۱۴۸ھ کے رجب کی ۲۲ تاریخ تھی۔

دوسرا بیان

حیات نامہ قلندری کا بیان ہے کہ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام سید محمد عثمان حنفی تھا اور آپ کے والد صاحب کا نام سید محمد احمد کبیر الدین تھا آپ آذربائیجان کے صدر مقام تبریز سے چالیس میل دور مغرب کی جانب ایک گاؤں

مرند میں پیدا ہوئے تھے مگر مرندی کی بجائے کتابوں میں ان کو مروندی لکھا گیا ہے اس غلطی کی وجہ سے ان کا پیدائشی مقام افغانستان کے قریب مروند تصور کر لیا گیا ہے۔
آپ کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت لعل شاہ باز قلندرؒ کی والدہ مروند کے حاکم سلطان شاہ کی نواسی تھیں۔ مقام پیدائش کی طرح ان کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کتابوں میں سنہ ۵۸۳ھ لکھی ہے جبکہ تذکرہ صوفیائے سندھ میں سنہ ۵۷۳ھ بیان کی گئی ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح حیات نامہ قلندری میں سال ولادت سنہ ۵۳۸ھ بیان کیا گیا ہے اور وفات کی تاریخ سنہ ۶۵۰ھ لکھی ہے۔ اور ثبوت میں ایک تاریخی قطعہ بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے:۔

بجو تاریخ شمس الدین عثمان ‖ بدر کن رنج از ملکِ کرامت
سن عمرش ولی اللہ ۱۱۲ وفاتش ۵۳۸ ‖ سروش غیب می گوید وفاتے

والدہ صاحبہ کو بشارت

بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی والدہ صاحبہ کے پیٹ میں تھے تو ایک دن رات کو خواب میں حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا تشریف لائیں اور ان سے فرمایا کہ اے میری بیٹی میں تم کو یہ بشارت سنانے آئی ہوں کہ تمہارا فرزند اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا برگزیدہ اور نامور قلندر ہوگا اور اس کی ذات سے اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے گنہ گار بندوں کی توبہ کو توفیق عطا فرمائے گا۔ اے میری بیٹی! جب یہ پیدا ہو تو اس کے دونوں کانوں میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز پہنچا دینا اور اپنے فرزند عالی قدر سے میرا سلام کہہ دینا۔ چنانچہ آپ کی والدہ صاحبہ نے اس خواب کو اور بشارت کو یاد رکھا اور جب لال شاہ باز قلندر صاحبؒ پیدا ہوئے تو والدہ صاحبہ نے ان کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور یقین کر لیا کہ میرا فرزند اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اللہ کے دین کا ضرور بہت بڑا خیر خواہ ہوگا۔

حضرت رابعہ بصریہؒ

تذکرۃ اولیاء کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ رابعہ بصریہؒ بھی اپنے دور کی نامور قلندر تھیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ میں عورتوں کو دین کی طرف بلانے کے سلسلہ میں بڑے کارنامے انجام دیئے تھے، علم، عبادت اور ریاضت میں ان کا نام بزرگوں کے حلقے میں بڑے احترام سے اور عقیدت سے لیا جاتا تھا۔ تمام زندگی شادی نہیں کی۔ اور اللہ کی عبادت میں خود کو اتنا محو رکھا کہ دنیا کا کبھی خیال بھی نہیں آیا۔ جو وقت پر مل گیا اسی پر اکتفا کر لیا۔ دوسرے وقت کے لئے بچا کر رکھنے کا کبھی خیال پیدا نہیں ہوا۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں ان کو بڑا بلند درجہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ظہر کی نماز کے بعد کھانا کھانے کا خیال کر رہی تھیں کہ اتنے میں چند مہمان آ گئے۔ خادمہ نے عرض کیا کہ آٹھ آدمی ہیں اور دو ہم لوگ ہیں۔ اور اس طرح دس ہوتے ہیں مگر باورچی خانہ میں روٹیاں صرف دو ہیں۔ لہٰذا آپ فرمائیں تو روٹیاں اور زیادہ مہیا کر لوں۔ یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ دروازے پر سائل نے آواز دی کہ اللہ کے نام پر کھانا دیجئے۔ رابعہ بصریہ نے خادمہ سے فرمایا کہ وہ دونوں روٹیاں سائل کو دے دو۔ خادمہ نے دیدیں۔ رابعہ بصریہؒ پردے کی آڑ سے مہمانوں کو اپنے ارشادات سے نوازتی رہیں۔ تھوڑی دیر گزرنے پائی تھی کہ محلے کی ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں صاحب کی بیوی نے آپ کے لئے یہ گوشت اور روٹیاں بھیجی ہیں۔ آپ نے خادمہ سے فرمایا کہ روٹیاں شمار کرو کہ کتنی ہیں۔ خادمہ نے روٹیاں گننے کے بعد عرض کیا کہ اٹھارہ ہیں۔ رابعہ بصریہؒ نے کھانا لانے والی سے فرمایا کہ روٹیاں بیس ہونا چاہئیں۔ دو کم کیوں ہیں۔ عورت نے عرض کیا کہ غلطی میری ہی ہے۔ میری مالکہ نے تو مجھے یہی کہا تھا کہ بیس روٹیاں اور گوشت لے جاؤ۔ چنانچہ عورت واپس گئی اور دو روٹیاں دوبارہ لیکر آئی۔ مہمان صاحبان سب اس کیفیت کو بڑے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تعجب کی کیا بات ہے۔ میں نے سائل کو اللہ کے نام پر دو روٹیاں دی تھیں اور میرا اللہ فرماتا ہے کہ ہم ایک کے بدلے میں دس دیتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ روٹیاں بیس سے کم نہیں ہو سکتیں ہیں۔ آپ نے

قرآن شریف کی ایک آیت تلاوت فرمائی :۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا: ترجمہ :۔ جو ایک نیکی کرتا ہے ہم اس کو دس نیکیوں کا ثواب دیتے ہیں۔ رابعہ بصری پہلی صدی ہجری کی قلندر ہیں اور قلندروں میں بڑی شان رکھتی ہیں۔ آپ نے دین کی خدمت کرنے میں اپنی پوری زندگی گذار دی وہ ہر بات کا جواب قرآن شریف سے دیتی تھیں اور صاحب نظر و کمال تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اکثر رابعہ بصریہؒ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور ان سے روحانی فیض حاصل کیا تھا :۔

ابتدائی تعلیم :

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی اسلامی تعلیم اپنے گاؤں مروند میں حاصل کی۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن شریف پڑھا اور دین کے ابتدائی مسائل نماز روزے اور طہارت کے متعلق سیکھے۔ چھ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہو گئے تو قرآن شریف حفظ کرنا شروع کر دیا۔ سات برس کی عمر تک حافظ قرآن ہو گئے اور علوم اسلام کے سیکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور بڑی جلدی اس قابل ہو گئے۔ کہ اپنے گاؤں سے باہر جا کر علمائے اسلام سے استفادہ کریں مگر آپ کی والدہ صاحبہ پسند نہیں کرتی تھیں کہ بچے کو اپنے سے دُور رکھا جائے۔

ماں کی اطاعت و خدمت

حضرت قلندر صاحبؒ بیس برس کی عمر تک اپنی والدہ ہی کے پاس رہے، دل تو چاہتا تھا کہ گاؤں سے باہر علماء کی خدمت میں جا کر علم دین حاصل کریں اور بحر علوم میں غوطہ لگائیں مگر جب ارادہ کرتے تو ماں کی اطاعت راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی، اور آپ حصول علم پر والدہ کی اطاعت اور خدمت کو ترجیح دیتے اور اپنا ارادہ ملتوی فرما دیتے۔ یہ سلسلہ بیس سال کی عمر تک چلتا رہا اور آپ نے جوانی و شباب کے ایام والدین کی خدمت و اطاعت میں گذار دیئے۔

والدین کا انتقال

حضرت قلندر صاحبؒ کے والد ماجد حضرت سید کبیر الدین صاحبؒ نے تھوڑی عمر میں

اس وقت انتقال کیا جب حضرت قلندر صاحبؒ کی عمر شریف صرف ۱۸ سال کی تھی۔ آپ اپنے والد صاحب کی حیات ہی میں حافظ قرآن ہو چکے تھے۔ والد صاحب بھی چاہتے تھے کہ فرزند دل بند کو علماء کی خدمت میں حاضر کریں مگر قلندر صاحبؒ کی والدہ کی محبت مانع ہوتی تھی۔ آخر آپ اللہ کو پیارے ہو گئے اور قلندر صاحبؒ کی پوری نگرانی والدہ صاحبہ کے ذمہ آگئی۔ عمر کا بیسواں سال شروع تھا کہ آپ کی والدہ صاحبہ نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور قلندر صاحب کو مغموم و ہراساں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد چند ماہ آپ کی طبیعت بڑی غمگین اور ملول رہی آخر اللہ تعالیٰ نے صبر عطا کیا اور آپ نے سامان سفر درست کیا اور گاؤں سے باہر حصول علم دین کی غرض سے قدم نکالا۔ علم کی لگن اور طریقت سے پیدائشی و فطری لگاؤ آپ کو بہت سے مقامات پر لے گیا اور آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بیعت و خلافت

حضرت قلندر صاحبؒ درحقیقت پیدائشی ولی تھے۔ دنیا میں آتے ہی کرامتوں کا ظہور شروع ہو گیا تھا اور لوگوں کی نظروں میں آپ کی ذات گھر سے لیکر مکتب و مدرسہ تک وجہ عقیدت بن گئی تھی۔ خود آپ کے والدین اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ فرزند محمد عثمان عرف لال شاہ باز قلندر اللہ کی قدرتوں کا ظہور ہیں اور ان میں وہ تمام آثار اور علامات موجود ہیں جو ایک مادر زاد ولی میں ہونا چاہیئے اس لئے وہ فرزند سے غیر معمولی محبت کرنے لگے تھے۔ ابھی سن شعور و شباب شروع ہی ہوا تھا کہ مروند کے نامور بزرگ حضرت شیخ ابو اسحاق بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے جد امجد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم خواب میں آگاہ کیا اور کہا کہ مروند میں محمد عثمان (لال شاہ باز قلندر) کی طرف توجہ کریں اور راہ سلوک کے منازل طے کرانے میں پوری پوری کوشش کریں۔ حضرت بابا ابراہیم صاحبؒ نے اس خواب کے بعد آپ سے ملاقات فرمائی اور ایک ہی نظر میں ہونہار صاحبزادے کو سینہ سے لگا لیا۔ حضرت قلندرؒ صاحبؒ نے پھر محسوس کیا کہ بابا ابراہیم صاحبؒ ایک طرح سے جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں دن بدن انکی محبت دل میں گھر کرنے لگی آخر ایک دن عصر کے بعد بابا ابراہیم صاحبؒ قادری نے مروند کے مشائخ کو جمع کیا اور اس خصوصی تقریب میں حضرت قلندر صاحبؒ کو سلسلہ قادریہ میں

داخل فرما کر سلوک و معرفت کی منازل طے کرانا شروع کر دیں۔

بابا ابراہیم قادریؒ

حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کو ہر وند اور اطراف کے علاقوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور آپ طریقت و حقیقت کے نامور عارف کامل سمجھے جاتے تھے۔ آپکا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا تھا۔ یعنی وہ حضرت مرتضیٰ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ احمد بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اور ان کو شرف بیعت حاصل تھا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی میران محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ صاحب موج کوثر اور صاحب صوفیائے سندھ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ ایک سال متواتر حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مصروف عبادت و ریاضت رہے اور اس قلیل مدت میں آپکا قلب اتنا منور ہو گیا کہ حضرت بابا ابراہیم صاحبؒ نے مشائخ ہر وند و ہرات کی ایک خصوصی مجلس میں قلندر صاحب کو قادریہ سلسلہ کی دستار خلافت سے نواز دیا اور اسطرح آپ اوائل عمر میں قادریہ سلسلہ سے وابستہ ہو کر اس سلسلہ کے اہل معرفت میں شمار ہونے لگے۔

شیخ منصور کی خدمت

صوفیائے سندھ کے مصنف تاریخ سندھ قلمی مملوکہ سندھ ادبی بورڈ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمۃ اللہ سے شرف بیعت کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت قلندر صاحبؒ نے شیخ منصور رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کیا اور راہ طریقت میں استقامت و کرامت سے نوازے گئے۔

شیخ منصور

حضرت شیخ منصور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تاریخ و تذکرہ میں کوئی خاص ذکر نہیں ملتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ سادات افغانستان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔ بہر حال حضرت منصور علیہ الرحمۃ کا تاریخ میں ذکر آئے یا نہ آئے مگر ان کی ذات تصوف و طریقت میں حضرت قلندر صاحب کے لئے بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ سلسلہ تصوف میں حضرت بابا ابراہیم صاحب قادریؒ کے بعد

حضرت شیخ منصور صاحبؒ کے بھی مدارج نظر آتے تھے اور اکثر ان بزرگوں کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے۔

اعتکاف بر مزار امام رضاؒ

حضرت شیخ منصور کی خدمت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قلندر صاحبؒ اشارۂ غیبی کی بنا پر اپنے وطن مروند سے عراق تشریف لے گئے اور وہاں سے ایران تشریف لائے اور حضرت امام رضا صاحبؒ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔ چند دن نماز اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد مزار پر بغرض فاتحہ حاضر ہوتے رہے اور مراقبہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک دن آپ کو باقاعدہ اعتکاف کا حکم ہوا اور آپ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خانقاہ رضویہ میں معتکف ہو گئے۔ اعتکاف کا سلسلہ چالیس دن جاری رہا اور آخری ایام میں آپ کو حکم ملا کہ عراق و حجاز میں حاضر ہوں اور وہاں حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ آپ امام رضا صاحبؒ سے روحانی اجازت لینے کے بعد عراق تشریف لے گئے اور سب سے پہلے آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دی اور چند دن قیام فرمایا پھر اپنے دادا پیر حضرت سید نا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلہ قادریہ کی اس بنیادی خانقاہ میں آپ نے بڑا سکون محسوس کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ایک تھکا ماندہ مسافر اپنی منزل مقصود کو پا گیا ہو۔

بارگاہ غوثیہ سے حضرت قلندر صاحبؒ نے بڑے روحانی فیوض حاصل کئے۔ جتنے دن رہے عبادات سے فراغت کے بعد مزار شریف کے متصل تلاوت اور مراقبہ میں مصروف رہے اور انوار و برکات اور صفائے قلب و روح کی دولتیں حاصل فرماتے رہے۔

بارگاہ قادریت سے اعزاز قلندری

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر آپ نے جو روحانی سکون اور قلبی اطمینان حاصل کیا اس کے پیش نظر آپ کا دل چاہتا تھا کہ زندگی کے سارے ایام خانقاہ قادریہ غوثیہ میں گذار دیئے جائیں مگر قدرت نے آپ کے لئے سندھ کی سرزمین پسند فرمائی تھی اس لئے کسی جگہ بھی رہنے اور رُکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ جب تک حکم مالک ہوا آپ حاضر رہے اور ایک ایسا بھی وقت آیا کہ حضرت غوث پاک علیہ الرحمۃ خواب میں جلوہ فرما ہوئے،

اور حضرت قلندر صاحبؒ کو سینے سے لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ عثمان! تم ہمارے "قلندر" ہو، اب تمہارا کام ہو چکا ہے۔ بغداد سے مکہ جاؤ اور اللہ کے گھر کا قرب حاصل کرو۔ حضرت قلندر صاحب بیدار ہوئے اور اسی وقت مکہ کی نیت سے روانہ ہو گئے۔

بیت اللہ کا دیدار

حضرت قلندر صاحبؒ حسب الحکم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بغداد سے حجاز تک پا پیادہ سفر کیا اور راستے میں جملہ مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہوئے مکہ پہنچے۔ ارادت مندوں کے بیان کے مطابق بغداد سے کربلائے معلٰی حاضر ہوئے اور جملہ شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے مزارات پر حاضری دی۔ چند دن مقیم رہ کر نجف اشرف گئے اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہٗ کے مزار مبارک پر حاضر رہ کر روحانی استفادہ حاصل کیا اور اپنے ... دادا پیر حضرت غوث صمدانی کے ارشاد کے مطابق مکہ کی نیت سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں جہاں بھی گذر ہوا وہاں کے آثار مقدسہ اور مزارات متبرکہ پر حاضر ہوتے رہے اور فاتحہ پڑھتے رہے۔ سرزمین حجاز پر قدم رکھا تو آنکھیں دیدار کعبہ کے لئے انتظار کی گھڑیاں گنتی رہیں اور دل اس سعادت عظمٰی کے لئے تڑپنے لگا۔ حرم شریف میں داخل ہوئے۔ نظریں کعبہ پر جم گئیں اور دل اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزنے لگا۔ طواف کعبہ سے فارغ ہو گئے تو مقام ابراہیم میں سجدہ ریز ہوئے۔ پھر چاہ زمزم پر آئے اور آپ زمزم پیا اور سعی مروہ و صفا کی سعادت حاصل کی۔

حضرت قلندر صاحبؒ جب مکہ معظمہ پہنچے تو حج بیت اللہ میں تین ماہ کی دیر تھی۔ آپ تین ماہ مکہ ہی میں مقیم رہے اور یہ تمام دن آپ نے عبادت و ریاضت میں گزارے۔ دنیائے اسلام سے تشریف لائے ہوئے مشائخ و علماء کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ فرماتے حج کی سعادت سے مشرف ہونے کے بعد آنکھیں مدینۃ الرسول کی جانب اٹھنے لگیں اور آپ ماہ محرم کے شروع میں حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کے لئے پا پیادہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ شریف میں حاضری

حضرت قلندر صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدائشی عشق عطا فرمایا

تھا۔ مکہ سے مدینہ تک کا پورا سفر آپ نے بڑے اشتیاق اور شوق دیدار سے پورا کیا۔ راستہ بھر دیدار مصطفےٰ کے شوق میں ساعتیں کاٹتے رہے آخر وہ وقت آگیا جب گنبد خضرا سے آنکھوں نے نور و سکون حاصل کیا۔ مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے اور پھر بارگاہ رسالت مآب میں سلام عرض کیا۔ دیر تک سر جھکائے فخر کونین کی خدمت میں اپنے عقیدت و محبت کے پھول پیش کرتے رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ گیارہ مہینے مدینہ طیبہ میں مقیم رہے اور دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں سے مستفیض ہوتے رہے۔ اور پھر اسی جگہ سے آپکو اشارہ ہوا کہ ہندوستان میں اللہ کے بندے تمہاری ملاقات کے منتظر ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالےٰ نے تمہیں مقرر فرمایا ہے۔ اب وہیں جاؤ اور سندھ و پنجاب کے باشندوں کو دین کی دولت سے مالا مال کرو۔

دوسرا حج بیت اللہ

حضرت قلندر صاحبؒ نے قدرتی اشارہ کی پوری پوری پابندی کی اور اس پر عمل کرنیکے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آخری سلام اور آخری التجائیں عرض کرنے کے بعد ذیقعدہ کے شروع میں مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ مکہ میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ دوسرا حج ادا کیا اور پھر آپ عراق واپس آئے۔ دیار غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ میں پہنچکر خانقاہ غوثیہ میں حاضری دی۔ مزار مبارک پر سلام عرض کیا اور حکم کی تعمیل سے جو سعادت و شرف حاصل ہوا تھا اسکے سلسلہ میں روح غوث پاکؒ سے دیر تک راز و نیاز ہوتے رہے اور یہ بھی عرض کر دیا کہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کے بعد ہندوستان جانے کا حکم ملا ہے۔ چند روز قیام کے بعد روح غوث پاکؒ سے مستقبل کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست کی اور عازم ہندوستان ہو گئے۔

خانقاہ غوثیہ سے روانگی

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت قلندر صاحبؒ کی عقیدت عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور یہ دولت حضرت بابا ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حاصل ہوئی تھی۔ پہلی حاضری اور دوسری حاضری میں جتنے دن آپ بغداد میں حاضر رہے حضرت غوث صمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر فیض و برکات حاصل کرتے رہے۔ اگر اشارہ غیبی نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی زندگی خانقاہ غوثیہ کی جاروب کشی میں گذار دیتے مگر قدرت آپ سے

سندھ میں اسلام کی خدمت لینا چاہتی تھی اس لئے دربار غوثیت سے اجازت لینے کے بعد آپ عازم سندھ ہو گئے تاکہ غیبی اشارہ کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کریں۔

ایران و مکران میں قیام

بغداد شریف سے سندھ کے لئے روانہ ہوئے تو پہلے ایران تشریف لائے اور حضرت امام رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ یہ دوسری حاضری تھی۔ مختصر قیام میں بہت کچھ حاصل کیا۔ اسکے بعد ایران اور اسکے اطراف میں مقیم مشائخین سے ملاقاتیں فرمائیں۔ سب فیضیاب ہوتے ہوئے اور سب کی دعائیں لیتے ہوئے مکران میں تشریف لائے۔ چند روز قیام فرمایا اور مکران میں خدمت اسلام کے فریضہ کو انجام دینے والے بزرگوں سے ملاقات فرمائی۔ علماء اور مشائخ سبھی کی خدمت میں حاضری دی۔ جہاں بھی گئے اور جس سے بھی ملے ہر جگہ نظر محبت سے نوازے گئے۔ بس ایک ہی خیال تھا کہ سندھ کی سرزمین پر پہنچوں اور وہ فریضہ ادا کروں جس کے لئے غیبی اشارہ ملا ہے۔ چنانچہ مشائخین کرام سے اس مقصد میں حصول کامیابی کے لئے دعائیں کراتے ہوئے مکران سے علاقہ سندھ میں داخل ہو گئے۔

سندھ میں آمد

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ مکران سے براستہ بلوچستان سندھ میں تشریف لائے۔ مگر قدرت کو ابھی یہ بات منظور نہیں تھی کہ آپ اپنے اصلی مقام (سہون) میں قیام پذیر ہوں۔ اس لئے آپ بہت تھوڑے دن سندھ میں ٹھہرے اور پاک و ہند کے بعض نامور بزرگوں کی ارواح سے روحانی استفادہ کے لئے سندھ سے مارواڑ کی سرزمین کو طے کرتے ہوئے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اجمیر شریف حاضر ہو گئے۔

اجمیر و دہلی کی حاضری

حضرت قلندر صاحب نے اجمیر شریف میں چالیس دن سے زیادہ قیام کیا اور اس عرصہ میں اپنا تمام وقت عبادت و ریاضت کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں

Scanned with CamScanner

حاضرہ کر مراقبہ میں صرف کیا۔ اس دربار کی حاضری سے آپ بہت مسرور ہوئے اور باطنی فیوضات سے مالامال کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ عصر کے وقت درگاہ شریف میں آتے تھے اور صبح فجر تک بیدار رہ کر حضرت خواجہ سے روحانی استفادہ فرماتے رہتے تھے۔ دن کا حصہ مزار شریف سے متصل اس پہاڑی پر گذارتے تھے جسکو تارا گڑھ کے نام سے یاد کرتے ہیں بغرض اجمیر شریف میں آپکی حاضری پسند کی گئی اور آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے باطنی اشارہ کو پاکر اجمیر سے عازم دہلی ہوگئے۔

دہلی میں حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ نے سب سے پہلے حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور ایک چلہ پورا مصروف عبادت وریاضت رہے اسکے بعد دوسرے بزرگوں کے مزارات پر ایصال ثواب کیلئے تشریف لے گئے حضرت قطب الاقطاب کے یہاں حاضری سے حضرت قلندر صاحبؒ کو بہت کچھ ملا اور حضرت قطب الاقطابؒ نے اپنے مہمان کو بہت اچھی طرح نوازا اور بڑی محبت کے ساتھ روحانی اشارہ فرمایا کہ وہ کرنال میں بو علی شاہ قلندر سے نیاز حاصل کرتے ہوئے ملتان چلے جائیں کیونکہ ملتان کی حاضری کے بعد ان کی اصلی منزل سامنے آئیگی اور وہ اپنا کام انجام دے سکیں گے۔ حضرت قلندر شاہ باز صاحبؒ جن بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوئے یا جن سے آپ نے ملاقات فرمائی ان کا مختصر تذکرہ ملاحظہ کیجئے۔

مختصر حالات خواجہ اجمیریؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۵۲۷ھ میں بمقام سجستان پیدا ہوئے۔ بعض کا کہنا ہے کہ سنجر میں پیدا ہوئے اسلئے سنجری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپکے والد صاحب کا اسم گرامی حضرت سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا اور ان کا سلسلہ نسب پندرھویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے سلسلہ نسب میں نو اماموں کے نام آتے ہیں اور جو اہل سنت کے امام بھی ہیں اور ائمہ اثناعشر میں بھی شامل ہیں

حضرت خواجہ صاحب ۱۲ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ ترکہ میں ایک باغ اور پن چکی ملی جو ذریعہ معاش بنی۔ جوانی کے قریب پہنچے تھے کہ ایک مجذوب صاحب جن کا نام ابراہیم قلندر تھا ان سے ملاقات ہوگئی۔ مجذوب صاحبؒ نے نظر بھر کر دیکھا اور کھلی کا ٹکڑا اپنے دانتوں سے چبا کر

حضرت خواجہ کو کھلا دیا۔ جس کے بعد آپکی حالت بدل گئی۔ باغ و پن چکی سب سے منہ موڑ کر سمرقند پہنچے۔ قرآن شریف حفظ کیا اور دین کے علوم حاصل کئے۔ پھر عراق گئے اور وہاں سے نیشاپور پہنچے اور قریب کے ایک قصبہ ہارون آباد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچکر شرف بیعت حاصل کیا۔ بہت دن مرشد کی صحبت میں رہ کر انوار و برکات حاصل کئے مرشد برحق نے کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص سے نوازا اور خلافت کے منصب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ چشتیہ تھا اور وہ پندرہ واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔ شجرہ طریقت یہ ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ، حاجی شریف زندنیؒ، خواجہ مودود چشتیؒ، خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتیؒ، خواجہ محمد چشتیؒ، خواجہ عبد الواحد چشتیؒ، خواجہ ابو اسحاق شامیؒ، خواجہ ممشاد علو دینوریؒ، خواجہ امین الدینؒ خواجہ ہبیرۃ البصریؒ، خواجہ حذیفہ مرعشیؒ، حضرت ابراہیم ادھمؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ، شیخ عبد الواحد بن زیدؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے اسی وجہ سے یہ سلسلہ چشتی کہلایا۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ۲ برس کے قریب اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ بعض لوگوں نے بیس سال لکھے ہیں۔ ہمیشہ اپنے مرشد کے آرام کا خیال رکھتے تھے سفر میں ان کا بستر اور سامان اپنے سر پر اٹھائے رہتے تھے۔

پھر اپنے مرشد حضرت عثمان ہارونیؒ کے ہمراہ حج بیت اللہ ادا کیا۔ مکہ سے مدینہ طیبہ گئے اور عرصہ تک بارگاہ رسالتؐ میں حاضر رہے اور پھر وہیں سے آپکو ہندوستان جانے اور اجمیر کے مقام پر خدمت اسلام کرنیکا حکم ملا۔ مرشد نے بھی اجازت دیدی اور آپ مدینہ شریف سے بغداد آئے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ اور اسی اطراف کے بزرگوں میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت شیخ ضیاء الدینؒ، حضرت اوحد الدین کرمانیؒ، خواجہ یوسف ہمدانیؒ۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مرشد شیخ ابو سعید تبریزیؒ، اور شیخ محمود اصفہانی سے ملاقاتیں فرماتے ہوئے لاہور تشریف لائے۔ کچھ دن حضرت داتا گنج بخشؒ، کے مزار پر

چلہ کشی فرمائی، اسکے بعد ملتان تشریف لائے اور یہاں آپ نے سنسکرت اور پراکرت زبانیں سیکھیں اور پھر دہلی ہوتے ہوئے ۱۰ محرم سنہ ۵۶۱ھ میں اجمیر میں قدم رنجہ فرمایا۔ اجمیر میں چوہان خاندان کا راجہ رائے پتھورا حکومت کرتا تھا اور اسکی حکومت دہلی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس راجہ کو پرتھوی راج بھی کہتے ہیں۔ راجہ کے ملازموں نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں اور خود راجہ بھی آپکا شدید مخالف ہوگیا مگر کسی کی چلی نہیں اور راجہ کے بہت سے آدمی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ہاتھ پر ایمان لاکر مسلمان ہوگئے۔ راجہ کی دشمنی بڑھتی گئی۔ آخر حضرت خواجہ صاحبؒ کی دعا سے سلطان شہاب الدین غوری نے حملہ کیا، راجہ مارا گیا اور اجمیر میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔

اجمیر شریف کے قیام میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی صاحبہ کا نام عصمت اللہ بی بی تھا اور وہ سید وجیہہ الدین حاکم اجمیر کی صاحبزادی تھیں، دوسری شادی ایک ہندو سے مسلمان ہونیوالی خاتون سے کی جو کسی راجہ کی بیٹی تھیں انکا نام امت اللہ بی بی رکھا تھا۔

آپ کی اولاد میں تین فرزند سید فخر الدین سید ضیاء الدین اور سید حسام الدین تھے اور ایک صاحبزادی بی بی حافظ جمال تھیں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے رجب کی چھ تاریخ سنہ ۶۳۲ھ میں وفات فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نواز بڑے عاشق رسول پاکؐ تھے۔ آپکے ملفوظات میں حضورؐ کا ذکر خیر بڑے عاشقانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ سادہ لباس، سادی غذا، عبادت اور ریاضت کے دلدادہ۔ سماع کے شائق اور ہندوستان کے صوفیا و اولیاء میں بڑے بلند مرتبہ کے مالک تھے آپ کی ذات سے ہندوستان میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا اور بے شمار اللہ کے بندوں کو ہدایت کی توفیق حاصل ہوئی۔ پاک و ہند کے بادشاہوں میں سلطان شمس الدین التمش، محمود خلجی، اکبر بادشاہ جہانگیر، شاہجہاں اور ان کی بیٹی جہاں آرا کو حضرت خواجہ سے بہت عقیدت تھی۔ ان بادشاہوں نے خانقاہ معینیہ میں مسجد، درگاہ اور دوسری عمارتیں بنوانے میں بڑی عقیدت سے کام کیا۔ جہاں آرا نے خواجگان چشت کے ذکر میں جو کتاب لکھی تھی اسکا نام "مونس الارواح" ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے مگر آپ کے نام چند کتابیں منسوب ہیں مثلاً رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، اور دیوان معین الدین وغیرہ۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے خلفاء میں مندرجہ ذیل حضرات نے بڑی شہرت حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ کو بہت فروغ بخشا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلویؒ، خواجہ فخر الدینؒ، شیخ حمید الدین ناگوریؒ، شیخ محمد ترک نارنولیؒ، حضرت بی بی حافظ جمالؒ، شیخ وجیہہ الدینؒ

خواجہ برہان الدینؒ، شیخ صدر الدین کرمانیؒ، خواجہ عبد اللہ بیابانیؒ، اور
بجے پال جوگی المعروف بہ عبد اللہ اجمیریؒ وغیرہ۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے کفرستان ہند میں جس اسلام کی شمع کو روشن کیا تھا آپ کے خلفائے
کرام اور دوسرے بزرگوں نے اسے بجھنے نہیں دیا اور یہ سلسلہ آج تک بحمد اللہ قائم ہے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار دہلی میں جامع مسجد
سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں مہرولی میں واقع ہے۔ آپ حسینی سید اور نامور ولی
اللہ تھے۔ پاک و ہند میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت قطب صاحب قصبہ "اوش"
کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب کا نام سید کمال الدین تھا۔ سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا
ہے آپکی ولادت ۵۰۰ھ میں ہوئی، حضرت قطب صاحبؒ ۲ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ ماں نے
پالا اور مولانا ابو حفصؒ نے علوم ظاہری کی تکمیل کرائی اور سلوک و طریقت کے ابتدائی آداب سے
واقف کرایا۔ سترہ سال کی عمر تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اوش میں
تشریف لائے تو آپ نے ان سے بیعت حاصل کی اور خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔ بہت دن
سیر و سیاحت میں رہے اور غزنی میں خاص طور پر زیادہ قیام کیا۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سے بیعت اور سیر و سیاحت کے بعد آپ بغداد شریف بھی تشریف لے
گئے۔ کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی استفادہ کیا اور
وہیں آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت اوحد الدین کرمانیؒ اور خواجہ ابو یوسف
چشتیؒ سے ملاقاتیں فرمائیں اور ان کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔

روایت ہے کہ آپ بغداد سے ہندو پاک تشریف لائے۔ اجمیر شریف میں اپنے مرشد کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ دن بعد ملتان میں قدم رنجہ فرمایا اور حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ
سے ملاقات فرمائی۔ ملتان میں قیام کے بعد دہلی میں وارد ہوئے۔ سلطان شمس الدین نے بڑے
شاندار انداز میں استقبال کیا۔ آپ نے شہر کے باہر کیلوکھڑی میں قیام فرمایا مگر التمش نے چند
روز بعد شہر میں بلا لیا۔ اور آپ ملک عین الدین کی مسجد میں قیام پذیر ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ اجمیریؒ آپ سے ملاقات اور مرید کے شوق ملاقات کو دیکھتے ہوئے

دہلی تشریف لائے۔ شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ نے حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں شکایت کی کہ حضرت قطب صاحبؒ کی مقبولیت نے التمش کی نظروں میں ان کی وقعت کو کم کر دیا ہے۔

چنانچہ حضرت خواجہ حضرت قطب صاحبؒ کو اپنے ہمراہ اجمیر شریف لیجانا چاہتے تھے مگر دہلی کے عوام و خواص نے اپنی سخت بےچینی کا اظہار کیا اور خواجہ کے راستہ میں کھڑے ہو کر فریاد کرنے لگے۔ آخر حضرت خواجہ صاحبؒ نے مرید صادق کو اپنے ساتھ لیجانیکا ارادہ ترک کر دیا اور فرمایا "بابا قطب الدین تم دہلی ہی میں رہو نہیں تو دلی والوں کے دل کو بہت رنج پہنچے گا" چنانچہ آپ آخر حیات تک دہلی میں مقیم رہے اور صرف ایک مرتبہ مرشد برحق کی ملاقات کے لئے اجمیر شریف گئے اور شرف دیدار سے مسرور ہوئے۔

سلطان شمس الدین التمش کی حضرت قطب صاحبؒ سے بہت عقیدت تھی اور وہ آپ کے ہر مشورہ پر عمل کرتے تھے۔ حضرت قطب صاحبؒ کی نصیحتوں نے بڑا کام کیا۔ پورے ملک میں اسلامی اخلاق و اعمال کی بجا آوری کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔ خود التمش نماز اور دیگر اسلامی عبادات کو بڑی پابندی سے ادا کرتے تھے اور راتوں کو بھیس بدل کر شہر میں لوگوں کے حالات کا اندازہ لگایا کرتے تھے۔

حضرت قطب صاحبؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ التمش رات کو آئے اور میرے پیر پکڑ لئے۔ میں نے کہا کیا بات ہے اور تم مجھے کب تک پریشان کرتے رہو گے۔ التمش نے عرض کیا کہ میں بادشاہوں اور دنیا کی سب نعمتیں حاصل ہیں مگر روز حساب سے ڈرتا ہوں۔ اس لئے آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ وہاں بھی آپ میری مدد فرمائیں گے چنانچہ جب تک میں نے وعدہ نہیں کیا سلطان نے میرے پیر نہیں چھوڑے۔

حضرت قطب صاحبؒ نے ایک سو تیس سال سے زائد عمر میں وفات پائی اور لاکھوں مسلمانوں کی موجودگی میں مہرولی میں سپرد قبر کئے گئے۔ آپ کی وفات محفل سماع کے ایک شعر پر ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع ہو رہی تھی۔ قوالوں نے شیخ احمد جام کے قصیدہ کا جب یہ شعر پڑھا ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ||| ہر زمان از غیب جان دیگر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ تین دن رات یہی حالت رہی مگر نماز کے وقت ہوش آ جاتا تھا اور بعد نماز پھر عالم سکر میں چلے جاتے تھے۔ آخر تین دن بعد ربیع الاول کی

چودھویں شب کو ۶۳۳ھ میں روح مبارک پرواز کر گئی اور پھر اسی سال پانچ ماہ کے بعد سلطان التمشؒ نے وفات پائی۔

وفات کے وقت سر مبارک خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر اور پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں تھے۔ سلطان التمش نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک روایت ہے کہ ایک دن قطب صاحبؒ نماز عید کے بعد گھر کی طرف آرہے تھے۔ ایک جگہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا یہاں سے عشق کی خوشبو آتی ہے۔ لہٰذا وہ زمین خرید لی گئی اور اسی جگہ آپ کی قبر پر روضہ تعمیر کیا گیا۔ حضرت قطب صاحبؒ کی تصانیف میں فوائد السالکین مشہور کتاب ہے۔ اس میں آپ کی مجلسوں کا حال ہے اور آپ کے ملفوظات ہیں جن کو آپ کی وفات کے بعد بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے جمع کیا تھا۔ حضرت قطب صاحب کے خلفاء میں بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ۔ سلطان شمس الدین التمشؒ قاضی حمید الدین ناگوری جیسے بلند مرتبہ حضرات کے نام بہت مشہور ہیں۔

لال شاہ باز کی بو علی قلندر سے ملاقات

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے رخصت ہو کر حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کی خدمت میں پانی پت پہنچے اور کچھ عرصہ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر منازل سلوک طے کئے اور قلندری کے ان رموز کو حاصل کیا جن کو کسی قلندری کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ جب تک رہے بڑی محبت سے پیش آتے رہے اور جب پورے طور پر فیضیاب ہو چکے تو حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ عثمان (لال شاہ باز) تم ہمارے دوست ہو۔ ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارا راستہ صاف ہو چکا ہے ہم تم کو یہیں کہیں رہنے کا حکم دیتے مگر اس علاقہ میں بہت قلندر ہیں اور سندھ کی زمین پر تم جیسے قلندر کی ضرورت ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ سندھ کی جانب جائیے۔ پہلے ملتان میں قیام کیجئے اس کے بعد اپنا مستقل مستقر تلاش کیجئے مجھے امید ہے کہ سندھ کی سرزمین پر بسنے والے اللہ کے بندوں کو تمہاری ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔

حضرت لال شاہ باز صاحبؒ نے اپنے محسن و مخلص حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کو قبول فرمایا اور پانی پت سے رخصت ہو کر ملتان تشریف لائے اور اس علاقہ کے مشاہیر اولیاء اللہ کی خدمت میں رہ کر مصروف ریاضت ہو گئے۔

حالات بو علی شاہ قلندرؒ

حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا نام شیخ شرف الدین تھا اور وہ بو علی شاہ قلندرؒ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ پانی پت میں ۶۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔ حضرت امام صاحبؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۵۰ھ میں آپ نے بغداد میں وفات فرمائی۔ آپ کا نام نعمانؒ اور والد کا نام ثابت اور دادا کا نام زوطی تھا جو پارسی سے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے اجداد کوفہ اور بغداد سے ہندوستان آگئے تھے اور پانی پت میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلہ نسب سیر الاقطاب نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"بو علی شاہ قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن، بن سالار عزیز بن ابو بکر غازی، بن فارسی، بن عبد الرحمن، بن عبد الرحیم بن محمد، بن دانک، بن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔"

مگر امام صاحب کی اولاد کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس شجرہ میں کوئی بڑی بھول ہو گئی ہے۔ بہر حال اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ شجرہ کہاں تک درست لکھا گیا ہے اور کیا چیز رہ گئی ہے۔

حضرت بو علی شاہ صاحبؒ بیس سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے اور دہلی میں قطب مینار کے قریب سکونت اختیار کر لی اور پھر بیس سال تک اسی جگہ آپ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مولانا قطب الدینؒ مولانا وجیہہ الدینؒ پائلی، قاضی ظہور الدین بجوریؒ، قاضی حمید الدینؒ، اور مولانا فخر الدین پائلی دہلی کے نامور علماء موجود تھے اور سب کو حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے علمی کمالات کا اعتراف تھا اور سب عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

رنگ قلندری کی ابتداء

درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک تصوف کا رنگ غالب آنے لگا، جذب و سکر کی حالت طاری ہونے لگی اور آپ ریاضت اور مجاہدہ میں مصروف رہنے لگے۔ درس و تدریس کا سلسلہ بند ہو گیا کتابیں ایک طرف رہ گئیں اور طلباء سے دل ہٹ کر کسی اور طرف لگ گیا۔ بہت دن تک جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے رہے۔ پھر کرنال اور پانی پت کے اطراف میں جنگلوں کو اپنا مسکن بنائے رکھا۔ قریب کے ایک گاؤں بڈھا کھیڑا میں مصروف عبادت رہے اور پھر کرنال کو مستقل ٹھکانہ بنا لیا۔

خلافت کا اعزاز

حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

سے بیعت فرمائی اور خلافت حاصل کی اور پھر اسکے بعد جب حضرت سلطان نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دور شروع ہوا تو ان سے بھی خلافت کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ آخر زندگی تک کرنال میں مقیم رہے قیام کی مدت ۸۰ سال کے قریب بتائی جاتی ہے اس طویل عرصہ میں ہزاروں اللہ کے بندوں کو آپکی دعاؤں سے فیض پہنچا اور بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔

قلندر صاحب اور دودھ کا پیالہ

حضرت صابر صاحب کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خلیفہ شمس الدین ترک کو پانی پت کرنال بھیجا اور فرمایا، جاؤ تم وہاں رہو اور اللہ کے بندوں کو فیض پہنچاؤ۔ چنانچہ ترک صاحب جب پانی پت کرنال میں تشریف لائے تو آپ نے ایک پیالہ دودھ سے بھرا ہوا اپنے خادم کے ہاتھ قلندر صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ قلندر صاحبؒ نے گلاب کے پھول کی پتیاں دودھ پر ڈالدیں اور پیالہ واپس کر دیا۔ ترک صاحبؒ یہ صورت دیکھکر ہنسے۔ خدام نے پوچھا کہ آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ ہے۔ ؟

آپ نے فرمایا کہ دودھ کا پیالہ حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت صابر صاحبؒ نے یہ علاقہ مجھے دیا ہے اور یہاں آپ کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے گویا جس طرح پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے اسی طرح یہ جگہ بھی بھری ہوئی ہے مگر حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے گلاب کی چند پتیاں دودھ پر ڈالدیں اور پیالہ واپس کر دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ میں پانی پت کرنال میں اس طرح رہونگا جس طرح دودھ کے بھرے ہوئے پیالہ میں گلاب کی پتیاں تیر رہی ہیں۔ کچھ لوگوں نے حضرت قلندر صاحب سے بھی اس معمہ کو پوچھا تو آپ نے بھی یہی بات فرمائی۔ چنانچہ اس کے بعد دونوں بزرگ اس علاقہ میں مقیم اللہ کے بندوں کو فیض پہنچاتے رہے۔ اور ان میں محبت کا سلسلہ قائم رہا۔

خواجہ شمس الدین ترک ترکستان کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام خواجہ احمد یسوی تھا۔ آپ حضرت علیؓ کی اولاد میں تھے۔ خواجہ ترک ہندوستان آئے تو پہلے بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بابا صاحبؒ نے چند سال کے بعد کلیر شریف حضرت صابر صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا۔ جہاں گیارہ سال آپ خدمت کرتے رہے۔ گیارہ سال کے بعد غیاث الدین بلبن کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ بہت دن اپنی حالت کو چھپائے رکھا اور جب بادشاہ کو راز معلوم ہو گیا تو ... ملازمت

چھوڑ کر پھر حضرت صابر صاحبؒ کی خدمت اختیار کر لی اور اس کے بعد حضرت صابر صاحبؒ نے آپ کو پانی پت کرنال جانے کا حکم دیا اور دودھ والا واقعہ پیش آیا۔

قلندر صاحب کی نظر

کہتے ہیں کہ پانی پت کرنال کے ایک بڑے رئیس نوجوان اپنے گھوڑے پر سوار چلے جا رہے تھے۔ حضرت قلندر صاحب کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے فرمایا۔ "کیا سوار ہے اور کیا گھوڑا ہے"۔ اتنا آپ نے فرمایا تھا کہ جلال الدین صاحب گھوڑے سے اتر پڑے۔ حضرت قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے، حالت بدل گئی تھی۔ کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ برسوں جنگل میں مصروف ریاضت رہے مدت کے بعد واپس خدمت میں لوٹے تو آپ نے مرید کیا اور خواجہ شمس الدین ترک کی خدمت میں بھیجا اور فرمایا وہاں کی خدمت تمہارے حصہ میں آئی ہے۔ حضرت جلال الدین صاحب کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ترک صاحبؒ دنیا سے سفر فرما گئے اور جلال الدین صاحبؒ کو ان کا خلیفہ بنایا گیا۔

امیر خسروؒ اور قلندر صاحبؒ

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ کی معرفت حضرت بو علی شاہ قلندر کی خدمت میں نذرانہ بھیجا، سلطان کا خیال تھا کہ قلندر صاحب نذرانہ لیں گے نہیں اس لئے نذرانہ امیر خسرو کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ سلطان جی نے امیر خسرو کو ہدایت فرمادی تھی کہ قلندر صاحب جو کچھ فرمائیں تم کچھ اعتراض مت کرنا۔ امیر خسرو صاحب دہلی سے پیدل چل کر پانی پت پہنچے۔ اور خادم کے ذریعہ اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ قلندر صاحبؒ نے اندر بلا لیا۔ ملاقات کے بعد فرمایا۔ کچھ سناؤ۔ حضرت امیر خسرو صاحبؒ نے چند اشعار سنائے جن کو سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ امیر خسرو صاحبؒ کے اشعار کا پہلا شعر یہ تھا ؎

اے کہ گوئی ہیچ سختی چون فراق یار نیست • گر امید وصل باشد آنچنان دشوار نیست

اسکے بعد حضرت قلندر صاحبؒ نے بھی اپنی ایک غزل سنائی جس کا مقطع یہ تھا ؎

بو در شرف بنود ز الواح ابجد ی • لوح جمال دوست مرا در برابر است

خسرو صاحبؒ غزل سنکر خوب روئے۔ قلندر صاحبؒ نے پوچھا خسرو! کچھ سمجھے بھی؟ حضرت خسرو نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت اسی بات کا رونا ہے کہ کچھ سمجھا نہیں۔ قلندر صاحبؒ اس جواب سے

بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ کی نذر قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا: اگر سلطان جی بیچ میں نہ ہوتے تو نذر واپس کر دیتا۔ تین دن کے بعد جب امیر خسرو صاحبؒ واپس آنے لگے تو قلندر صاحبؒ نے شاہ دہلی کے نام خط میں لکھا:۔

"علاؤالدین فوطہ دار دہلی مقرر داند کہ با بندگان خدائے تعالیٰ نیکو کند"۔

خط جب سلطان کو ملا تو ایک درباری امیر نے اعتراض کیا کہ سلطان کے لئے فوطہ دار کا لفظ لکھنا سخت توہین ہے۔ سلطان نے جواب دیا کہ یہ بھی غنیمت ہے کیونکہ ایک مرتبہ تو انہوں نے شحنۂ دہلی تحریر فرمایا تھا۔ میں تو ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے فوطہ دار سے یاد کیا۔

کرامت قلندری

ایک مرتبہ بادشاہ غیاث الدین تغلق اپنے فرزند اور پوتے کو ساتھ لیکر حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں گئے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے خدام سے فرمایا کہ بادشاہ کیلئے کچھ کھانے کیواسطے لائیں۔ ایک خادم نے ایک بڑے پیالہ میں کھانا بھر کر پیش کیا۔ بادشاہ اور دونوں شہزادے ایک ہی پیالے میں کھانے لگے۔

حضرت قلندر صاحبؒ نے اس منظر کو دیکھکر ارشاد فرمایا کہ تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں۔ گویا آپ نے اس طرح شہزادہ جونا خان اور شہزادے کمال الدین کو آگے چل کر بادشاہ ہونے کی خوش خبری سنائی جو آگے چل کر صحیح ثابت ہوئی۔ جونا خان تو سلطان محمد تغلق کے نام سے تخت پر بیٹھے اور کمال الدین نے فیروز شاہ کے لقب سے تخت سلطنت سنبھالا۔

ایک دوسری کرامت

حضرت قلندر صاحبؒ کے تذکروں میں یہ کرامت بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قلندر صاحبؒ صبح کے وقت خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے پان چبا رہے تھے کہ اتنے میں چار ہندو عورتیں جو دہی بیچا کرتی تھیں آپکی خدمت میں آئیں اور اولاد کیلئے درخواست کی کیونکہ چاروں اولاد سے محروم تھیں۔

آپ نے فرمایا۔ اولاد دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے میرا نہیں ہے مگر تم امید لیکر آئی ہو تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو نیک فرزند عطا فرمائے۔ یہ فرما کر آپ نے اپنے منہ میں سے پان کا

اگال نکال کر چاروں کو دیا اور فرمایا کہ یہ کھالو۔ تین عورتوں نے اسی وقت کھا لیا مگر ایک ذرا سخت قسم کی ہندو تھی اس نے ہاتھ میں لیکر چھپا لیا اور گھر جاتے ہوئے راستہ میں ایک جھاڑی میں پھینک دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد تینوں عورتیں اپنے اپنے فرزندوں کو لئے ہوئے حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں آئیں اور نذر پیش کی مگر چوتھی عورت خالی گود روتی ہوئی آئی اور اپنی محرومی کا حال بیان کر کے فریاد کرنے لگی۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے فرمایا کہ شاید تو نے وہ پان کا اگال نہیں کھایا تھا۔ اس نے اقرار کیا، آپ نے فرمایا۔ اچھا جہاں پھینکا تھا وہاں جا۔ عورت گئی اور اس نے دیکھا کہ ایک بچہ جھاڑی میں رو رہا ہے۔ عورت نے بچہ کو گود میں لیا اور اللہ کی قدرت سے اسی وقت عورت میں ماں کی ماتما پیدا ہو گئی اور اس نے بچہ کو دودھ دیا اور پھر حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ یہ بچہ تیرا ہے۔ اس واقعہ کے چند ہی دن بعد ان چاروں عورتوں کے شوہر اور بیویوں نے آپکی خدمت میں آکر سلام قبول کر لیا۔

اشاعت اسلام

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ نے پانی پت کے علاقہ میں اسلام کی بہت بڑی خدمت فرمائی ہزاروں ہندو کسان اور زمیندار آپکی دعاؤں کی برکت اور تبلیغ کے اثر سے مسلمان ہو گئے۔ اس علاقہ کے تمام راجپوت جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی کوششوں سے اسلام لائے۔ ایک بہت بڑا راجپوت زمیندار جس کا نام امیر سنگھ تھا وہ آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا اور پھر اسکے اثر سے راجپوتوں کا ایک بڑا قبیلہ داخل اسلام ہو گیا۔

قلندر صاحبؒ کی وفات

حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کافی لمبی عمر پائی تھی۔ آپؒ نے ایکسو بیس سال کی عمر میں ۱۳ رمضان شریف ۷۲۴ھ میں بمقام کرنال وفات پائی۔ اور اسی جگہ دفن کئے گئے مگر یہ روایت بہت مستند مانی جاتی ہے کہ جب آپکو کرنال میں دفن کر دیا گیا تو رات کے وقت آپکے کچھ رشتہ داروں نے آپکی میت کو قبر سے نکال کر پانی پت میں لائے اور اسی جگہ دفن کر دیا۔ اب تک جس جس علاقہ میں قلندر صاحبؒ رہے تھے وہاں معتقدین کا اجتماع ہوتا ہے اور ایک طرح کا عرس منایا جاتا ہے۔ سب سے بڑا عرس کا اجتماع پانی پت میں ہوتا ہے اور دور دور سے لوگ شریک ہونے

Scanned with CamScanner

آتے ہیں۔

اشعار اور کتابیں

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی کئی کتابیں مشہور ہیں۔ مکتوبات بنام اختیار الدین۔ حکم نامہ شرف الدین مثنوی کنز الاسرار۔ رسالہ عشقیہ۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے حاجب کا نام اختیار الدین تھا۔ پھر خلجی بادشاہوں کے زمانہ میں بھی ایک حاجب اختیار الدین نام کے ہوئے تھے۔ یہ تمام خط شاہان خلجی کے حاجب اختیار الدین کے نام لکھے گئے تھے۔ اب آپ کی کوئی کتاب نہیں ملتی ہے۔ البتہ ایک مثنوی جو مثنوی بوعلی شاہ قلندرؒ کے نام سے مشہور ہے اس کو ۱۳۰۱ھ میں مطبع نامی لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد یہ مثنوی کراچی میں قیام پاکستان کے بعد عام طور پر شائع ہونے لگی ہے اس مثنوی کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ عشقیہ ہے جسے مثنوی بو علی شاہ قلندرؒ کے نام سے شائع کیا گیا ہے اور جس میں صدہا شعر عشق پر لکھے گئے ہیں۔ کل تعداد شعروں کی تین سو باسٹھ ہے اور اس کی ابتداء ان شعروں سے ہوتی ہے ؎

مرحبا اے بلبلِ باغ کہن، || از گل رعنا بگو یا ما سخن
مرحبا اے قاصدِ طیار ما || می دہد ہر دم خبر از یار ما
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال || مرحبا اے طوطی شکرِ مقال
در زمان ہفت آسمان راطے کنی || مرکب حرص و ہوا راپے کنی
ومبدم روش کنی در دل چراغ || ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس صنم، || از تو حاصل شد مرا وصل صنم
مرحبا اے رہنمائے راہ و دین || از تو روش شد مرا چشم یقین
یافت قالب طینت پاکی ز تو || شد پریشان آدم خاکی ز تو

مرحبا اے فیض بخشِ کائنات
یافت ترکیب از وجود تو حیات

پانی پت کا تاریخی شہر انبالہ اور دہلی کے درمیان بھارت میں واقع ہے اور مین لائن پر بہت مشہور اسٹیشن ہے۔ پھر پانی پت کی شہرت کی دوسری بڑی وجہ مسلمان بادشاہوں سے اور مرہٹوں سے بڑی بڑی لڑائیاں ہیں جو پانی پت کے میدان میں لڑی گئیں تھیں۔ ابدالی اور نادر شاہ سب نے اس میدان پانی پت میں جنگ آزمائیاں کی تھیں۔ مگر اب اس شہر کی شہرت کی بڑی وجہ بو علی

شاہ قلندر کی ذات ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کو خیر باد کہکر جنگلوں اور ویرانوں میں گھوم رہے تھے وہ زمانہ آپ کی انتہائی مدہوشی کا زمانہ تھا مگر اتنے گہرے جذب اور اتنے عظیم سُکر کے باوجود اللہ تعالیٰ کا نام سنکر کانپ جاتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا تھا تو اس طرح ہوش میں آجاتے تھے کہ جیسے پہلے کبھی آپ کو جذب کی حالت سے سابقہ نہ ہوا ہو اور بڑے ہوش و حواس کے ساتھ پانچ وقت کی نمازوں کو ادا فرماتے تھے اور پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی عالم جذب میں ڈوب جاتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے کتابوں کا اور مسائل کا ذکر کرتا تھا تو آپ فرماتے تھے کہ اب میں سوائے اللہ تعالیٰ کے سب کو بھول گیا ہوں۔

لال شاہ باز لاہور میں

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت میں جتنے عرصہ قیام کیا، ریاضت و عبادت میں مصروف رہے۔ مختلف بزرگوں سے ملاقات اور ان کے مزارات پر حاضری اور روحانی تعلیم و تربیت کے بعد جو کچھ آپکو حاصل ہوا تھا اس میں پانی پت کی حاضری اور حضرت بو علی شاہ قلندر کی نظر التفات نے حاضا اضافہ کیا اور آپ اکتساب فیض سے سرفراز ہو کر حسب الحکم حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے لئے روانہ ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ پانی پت سے ملتان کا سفر لال شاہ باز صاحبؒ نے لاہور کے راستہ طے کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ لاہور میں چالیس دن سے زیادہ مقیم رہے تھے اس عرصہ میں زیادہ وقت آپکا حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گذرتا تھا۔ آپ نے لاہور میں آرام فرمانے والے دوسرے بزرگوں کے مزارات پر بھی حاضری دی۔ خصوصاً حضرت شیخ حسین زنجانی، حضرت سید یعقوب زنجانی اور حضرت سید اسحاق زنجانیؒ کے مزارات پر حاضر ہوئے اور مراقبہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ تینوں حضرات آپس میں رشتہ دار تھے اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ پہلے لاہور آئے تھے۔ ان حضرات نے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت میں خاصی کوشش فرمائی اور بہت سے لوگوں کو اسلام لانے کی توفیق ملی۔ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ ۴۳۱ھ میں لاہور تشریف لائے تھے۔ جس دن آپ نے لاہور میں قدم رکھا اسی دن حضرت شیخ حسین زنجانیؒ نے وفات فرمائی دونوں ساتھی بزرگ پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے

کہ لال شاہ باز صاحبؒ لاہور سے سیالکوٹ بھی تشریف لے گئے تھے۔ اور چند روز آپ نے حضرت سید امام علی الحقؒ کے مزار پر مراقبہ فرمایا تھا۔

حضرت سید امام علی صاحبؒ کے متعلق تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ یہ حضرت بھی حضرت شیخ حسین زنجانیؒ کے رشتہ دار تھے اور تبلیغ اسلام کیلئے سیالکوٹ کو پسند فرمایا تھا۔ آپ نے جب سیالکوٹ میں قدم رکھا تو وہاں ایک ہندو راجہ کی حکومت تھی۔ اسوقت اگرچہ تغلق خاندان کی حکمرانی تھی مگر سلطان کی طرف سے راجہ کو حکومت کرنیکی اجازت ملی ہوئی تھی مگر راجہ اندرخانہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ کہتے ہیں کہ راجہ کو کسی نے بتلایا تھا کہ اگر کسی مسلمان کا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑک دیا جائے تو مسلمان پھر اس قلعہ کو کبھی ختم نہیں کر سکیں گے، چنانچہ راجہ نے ایک مسلمان بڑھیا کے نوجوان بیٹے کو قتل کرا کر اسکا خون قلعہ کی دیواروں پر چھڑک وا دیا۔ بڑھیا نے امام صاحب سے فریاد کی اور بات پھر فیروز شاہ تغلق تک گئی۔ بادشاہ نے امام صاحب کی سرپرستی میں اسلامی فوج کو راجہ کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔

امام صاحب نے راجہ سے مقابلہ کیا، شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا مگر اسکے بعد ہندوؤں نے دھوکہ سے شب خون مارا جس میں امام صاحب اور انکے کئی ساتھی شہید ہو گئے جن کے مزارات قلعہ کے قریب ہیں۔ یہ واقعہ ۷۸۶ھ کا ہے۔

لال شاہ باز ملتان میں

حضرت لال شاہ باز صاحبؒ لاہور اور سیالکوٹ کے بعد ملتان تشریف لائے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے آپ اپنے اصلی مستقر سیوستان (سیہون) میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ ملتان میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کی طرف حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے جو اشارہ فرمایا تھا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں ملتان شہر جلیل القدر بزرگوں کا مرکز تھا۔

ان تینوں بزرگوں کے نام یہ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ اور حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ۔ ایک اور چوتھے بزرگ کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور وہ حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ کے فرزند نامدار شیخ صدر الدین عارفؒ ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت لال شاہ باز صاحبؒ کی رہنمائی فرما رہا تھا مشیت یہ تھی کہ آپ اپنے اصلی مستقر پر قیام پذیر ہونے سے پہلے سلوک طریقت کی وہ تمام منزلیں طے کر لیں جس کی ایک سالک و عارف کو ضرورت ہوتی ہے اور جن کے بغیر کوئی شخص جادہ زہد و قناعت پر اپنی استقامت کا ثبوت نہیں

پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت قلندر صاحبؒ نے ان چاروں بزرگوں کی صحبت سے اچھی طرح فیض اٹھایا اور بہت دن ان سب حضرات کے قرب میں رہ کر ریاضت و عبادت کے منازل طے کئے اور تصوف و سلوک پر مذاکرات ہوتے رہے۔ تذکرہ نگاروں نے اس دور کو چار چاروں کا دور کہا ہے یعنی تین مذکورہ بالا حضرات اور چوتھے حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں بزرگوں کے بھی مختصر حالات بیان کر دیئے جائیں تاکہ حضرت قلندر صاحب کے احباب و معاصرین کی بلند و بالا زندگیاں بھی قارئین کے سامنے آسکیں۔ اور وہ اس عظیم دور کی یادوں کے ذریعہ روحانی استفادہ کر سکیں۔

بابا فرید گنج شکرؒ

آپکا نام فریدالدین تھا اور آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ آپکے دادا شہاب الدین محمد غوری کے دور حکومت میں افغانستان سے پاک و ہند میں آئے تھے اور لاہور میں سکونت اختیار کر لی تھی دادا کا نام نامی اسم گرامی قاضی شعیب اور والد کا نام قاضی جمال الدین سلیمانی تھا اور وہ لاہور میں قاضی تھے۔ کچھ عرصہ آپ کے والد لاہور میں مقیم رہے اسکے بعد انہوں نے ملتان کے قریب قصبہ کھتی وال میں سکونت اختیار کر لی۔ بابا صاحب اسی میں ۵۸۴ھ میں پیدا ہوئے۔

بہت کم عمر تھی جب آپ یتیم ہو گئے۔ ماں نے قصبہ کے مدرسہ میں تعلیم دلوائی۔ پیدائشی طور پر اللہ والے تھے۔ اور بچپن سے ہی کرامات کا ظہور ہونے لگا تھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ ملتان گئے۔ اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ ایک دن اسی مسجد میں اتفاق سے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف لے آئے۔ نظر ملتے ہی بابا صاحب دل قربان کر بیٹھے۔ قطب صاحبؒ نے سینے سے لگا یا۔ بیعت فرمایا چند روز قیام کے بعد فرمایا۔ میں دہلی جا رہا ہوں۔ تم اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھو۔ تھوڑے دن بعد قطب صاحبؒ کا حکم ملا کہ غزنی، قندھار، بغداد اور بدخشاں کا سفر کرو۔ بابا صاحبؒ نے حکم کی تعمیل کی اس سفر میں آپ کی ملاقات متعدد جلیل القدر علماء اور مشائخ سے ہوئی اور دل بھر کر استفادہ کیا۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ بہاؤالدین حموریؒ، شیخ احد الدینؒ کرمانی سے نیاز حاصل کیا۔ عوارف المعارف کو حضرت شہاب الدینؒ سے پڑھا اور ان سے محبت اس درجہ بڑھی کہ بابا صاحبؒ نے اپنے فرزند کا نام بھی شہاب الدین رکھا۔

واپس ملتان مدت کے بعد آئے۔ کچھ دن حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے پاس قیام فرمایا اور اسکے بعد اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے

ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ چند روز کے بعد حضرت قطب صاحبؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور حکم دیا کہ ہانسی جاؤ اور کچھ دن قیام کرو۔ حضرت بابا صاحبؒ حکم کے مطابق ہانسی تشریف لے گئے۔ حضرت قطب صاحبؒ نے جب انتقال فرمایا تو بابا صاحب ہانسی میں تھے۔ جلدی دہلی آئے۔ خواجہ حمید الدین ناگوریؒ نے قطب صاحبؒ کی وصیت کے مطابق خرقہ خلافت پہنایا۔ تبرکات آپکو دیئے۔ کچھ دن آپ دہلی میں مقیم رہے اور پھر حضرت پیرو مرشد کے اشارہ سے دہلی سے آپ اجودھن (پاک پٹن) تشریف لائے اور تمام زندگی اسی جگہ قیام پذیر رہے اجودھن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی بہت بڑی مرکزی جگہ تھی اور جہاں راج جوگی جس کا نام سمھوناتھ تھا وہ ہندوؤں پر حکومت کرتا تھا۔ اس پورے علاقہ میں اسکا بہت بڑا اثر تھا۔ بابا صاحبؒ نے مرشد برحق کے حکم سے اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ جوگی سے آپ کے بہت سخت مقابلہ ہوئے۔ آخر جوگی نے بابا صاحبؒ کے سامنے ہار مان لی اور اسلام قبول کر لیا اور اسکے بعد پورا علاقہ اسلام کی روشنی سے چمک اٹھا۔

پاکستان کے مغربی حصہ کو بابا صاحبؒ نے تبلیغ کا مرکز بنایا اور اسکے بعد دوسرے علاقوں میں سلطان نظام الدین اولیاءؒ مخدوم علی احمد صابر کلیریؒ اور دکن میں شیخ منتخب الدین چشتیؒ کو تبلیغ پر مامور فرمایا۔

حضرت بابا صاحبؒ پچاس سال سے زائد اجودھن میں اسلام کی روشنی سے دور دراز کے لوگوں کو منور فرماتے رہے۔ آپ نے پچانوے سال کی عمر میں ۶۶۶ھ میں وفات فرمائی۔ انتقال کے وقت یاحی یا قیوم کا ورد فرما رہے تھے۔ بعض لوگوں نے وفات کا سن ۶۶۴ھ بیان کیا ہے۔

وصیت کے مطابق سلطان نظام الدین اولیاءؒ دہلی سے تشریف لائے تو انکو امانتیں دی گئیں اور انہیں نے وصیت کے مطابق آپکی تجہیز و تدفین فرمائی۔ چند روز آپکو بطور امانت دفن کیا گیا تھا۔

حضرت بابا صاحبؒ کے خلفاء میں سلطان نظام الدین اولیاء دہلویؒ، حضرت مخدوم علاؤ الدین صابر کلیریؒ، شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ بدالدین اسحاقؒ اور شیخ عارف علیہ الرحمۃ بڑے مرتبہ کے بزرگ مانے گئے ہیں۔ سلطان بلبن کو بابا صاحبؒ سے بہت عقیدت تھی۔ بلبن نے اپنی ایک بیٹی سے بابا صاحبؒ کی شادی بھی کر دی تھی۔ بادشاہ کی بیٹی صاحبہ بڑی نیک اور عبادت گذار تھیں۔

حضرت بابا صاحبؒ اسی جگہ دفن کیے گئے تھے جہاں آج انکا مقبرہ۔ اور آپکے مزار کے قریب ہی ان تمام سجادہ نشینوں کے مزارات ہیں جو آج تک آپکے سجادہ نشین ہوتے رہے ہیں۔ خلفاء میں حضرت سلطان الاولیاء دہلویؒ اور حضرت مخدوم صابر کلیریؒ کے مفصل حالات میری کتابوں میں دیکھئے جو امین برادرس نے شائع کی

ہیں اور بابا صاحبؒ کے متعلق بھی میں نے مستقل ایک کتاب لکھی ہے جو اسی ادارہ نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں بابا صاحبؒ کی اولاد کے مفصل حالات خلفاء کے مفصل حالات بہشتی دروازہ کی حقیقت اور دوسری تمام تفصیلات بیان کردی گئی ہیں۔

لال شاہ باز اور حضرت زکریا ملتانیؒ

حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت لال شاہ باز صاحبؒ نے جن دوسرے نامور بزرگ سے ملتان میں فیض حاصل کیا اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ان کا پورا نام حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔

تاریخ میں مؤرخین نے حضرت زکریا ملتانیؒ کے ذکر میں لکھا ہے کہ آپ قریشی نسب تھے۔ اور آپ کے قبیلہ کا نام ہباری اسلامی تھا۔ پہلے یہ حضرات سندھ میں کسی جگہ رہے پھر سکھر میں نور محمد نام کے ایک گاؤں میں مقیم ہوئے۔ پھر پانچویں صدی ہجری میں اس خاندان کے لوگ ملتان آگئے اور اسی جگہ کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضرت زکریا صاحب ملتان میں ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ صاحبہ اور بابا فرید گنج شکرؒ کی والدہ صاحبہ دونوں آپس میں سگی بہنیں تھیں۔

حضرت زکریا صاحبؒ ۱۲ سال کی عمر میں باپ کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ ماں نے پہلے قرآن حفظ کرایا پھر دین کی تعلیم دلوائی۔ وفات کے بعد آپ بیس سال کی عمر میں آپ بلخ بخارا، خراسان اور بغداد ہوتے ہوئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے مدینہ پاک میں حاضر ہوئے۔ اور وہاں کے علماء سے حدیث تفسیر کا درس لیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر مکہ شریف آئے اور تھوڑے دن قیام کیا دوسرے حج کی سعادت حاصل کی۔ اسکے بعد بیت المقدس اور دوسرے مقامات پر انبیائے کرام اور صحابہ وتابعین کے مزارات پر حاضری دی۔ ہر جگہ کے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہوئے اور عبادت وریاضت کرتے ہوئے بغداد تشریف لائے۔

اس زمانہ میں بغداد شریف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا دور دورہ تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک ہی نظر میں کام ہوگیا۔ حضرت زکریا صاحبؒ نے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک ماہ کے قریب مرشد کی خدمت میں حاضر رہ کر مرتبۂ ولایت پر فائز ہوئے۔ حضرت شیخ سہروردی صاحبؒ نے باطنی مدارج طے کرادیئے اور مرید صادق حضرت زکریا

صاحبؒ سے فرمایا۔ ملتان میں قیام کرو اور اللہ کی مخلوق کو دین سے واقف کراؤ۔
آپ جب ملتان آئے تو عمر شریف ۲۵ سال کی ہو چکی تھی۔ اور ۶۱۴ھ تھا حضرت سہروردی صاحبؒ کے حکم پر آپ نے پورا پورا عمل کیا اور ملتان میں ایسے جوش و جذبہ سے تبلیغ اسلام و اخلاق شروع کی کہ تھوڑے ہی دن میں ملتان کی کایا پلٹ گئی، ہر طرف دین کے چرچے ہونے لگے۔ آپؒ نے دینی تعلیم کیلئے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا۔ صدہا طلباء اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ عرب اور عجم کے تشنگان علوم اس کثرت سے آنے لگے کہ آپکو انکے قیام و طعام کا بہت بڑا انتظام کرنا پڑا اور ملتان علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ طلباء کے آرام، ان کی تعلیم اور دوسری تمام ضروریات پر پوری توجہ دی جاتی تھی۔ پورے پاک و ہند میں یہ مدرسہ سب سے بڑا مدرسہ تھا اور ہزاروں طالبان علوم اس مدرسہ سے فیضیاب ہو کر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے دینی پیشواء اور رہنما بنے۔ حضرت زکریا ملتانی صاحبؒ نے ظاہری علوم کے ساتھ باطنی تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا تھا۔ حصول علم کے ساتھ ہی طلباء کو روحانیت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ جو طلباء علوم ظاہری اور باطنی سے آراستہ ہو جاتے تھے ان کو داخل خلافت کر لیا جاتا تھا۔

ملتان میں آپکی خانقاہ کو جو اہمیت حاصل تھی اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بہت سے باکمال صوفیاء کرام کی وہ مستقل قیام گاہ تھی۔ حضرت خواجہ اجمیریؒ، بابا فرید گنج شکرؒ جلال الدین تبریزیؒ اور حضرت حمید الدین ناگوریؒ جیسے حضرات بھی آتے رہتے تھے۔ حضرت قطب صاحب دہلویؒ بھی بہت مرتبہ اس خانقاہ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا اس خانقاہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں طالبان سلوک کو بڑے آرام سے رکھا جاتا تھا اور ان کو بیکار بیٹھے رہنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ جو جس طرح چاہے کاروبار اور محنت مشقت بھی کر سکتا تھا۔ اور ایسا کرنے کی ان کو تلقین کی جاتی تھی۔ صوفیاء میں حضرت زکریا صاحبؒ خود بھی بڑے آرام پسند اور خوشحال زندگی رکھتے تھے۔ اچھا لباس اور اچھی رہائش اور آرام کے جملہ سامان انکو حاصل تھے۔ ذاتی جائیداد اور آمدنی کے علاوہ نذرانے کی بڑی بڑی رقمیں آتی تھیں۔ جن کو خانقاہ کے مقیموں کے آرام پر خرچ کیا جاتا تھا۔ رہائش کا محل بہت شاندار بنایا تھا۔ اور قیمتی پردے دروازوں پر پڑے رہتے تھے۔
اس ظاہری شان و شوکت کے ساتھ آپ عبادت و ریاضت کے بڑے شائق تھے نفلوں میں

پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ عشاء کے وضو سے اکثر فجر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے سنہ ۶۶۶ھ میں وفات فرمائی۔ اخبار الصالحین کا بیان ہے کہ آپ نے ۷ صفر سنہ ۶۶۲ھ میں وفات فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے حجرے میں تھے کہ آپکے صاحبزادے صدر الدینؒ کو ایک اجنبی شخص نے ایک خط دیا کہ یہ اندر حجرے میں جاکر دیدو۔ صدر الدین صاحبؒ پرچہ لیکر اندر گئے اور والد صاحب کو دیدیا۔ حضرت نے پرچہ کھولا اور زبان سے لفظ اللہ ادا کیا اور روح پرواز کرگئی اور پھر دوسری آواز اس کے بعد آئی کہ "دوست بہ دوست رسید" ملتان میں آپکا مزار مرجع خاص و عام ہے اور ہزاروں عقیدت مند روزانہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

حضرت زکریا صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے سہروردی سلسلہ کو بہت فروغ دیا۔ آپ کی تعلیمات میں عوارف المعارف کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور تصوف و سلوک میں آپ اپنے حلقۂ مریدین میں اس کتاب کے پڑھنے اور سمجھنے کا حکم دیتے تھے آپ فرماتے تھے کہ انسان آرام اور خوش زندگی رکھنے کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہے تو خوش حالی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو عام دنیاوی لذتوں سے جو جائز اور حلال ہوں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولنا چاہیئے۔

لال شاہ بازؒ اور مخدوم جہانیاںؒ

تذکرہ صوفیائے سندھ کا بیان ہے کہ حضرت لال شاہ باز صاحبؒ نے سیّد جلال الدین بخاری یعنی مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بھی اٹھائی اور ان سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا ہے مگر یہ بات ہم اس لئے تسلیم نہیں کرسکتے ہیں کہ اسی تذکرہ صوفیائے سندھ میں حضرت بخاری صاحبؒ کا سن ولادت ۷۰۷ھ بیان کیا گیا ہے جبکہ لال شاہ باز صاحب کیلئے لکھا ہے کہ وہ سنہ ۶۷۳ھ میں دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ یہ دونوں بیان متضاد ہیں۔ یا تو بخاری صاحبؒ کے سن ولادت اور سن وفات کو غلط کہنا پڑے گا یا پھر لال شاہ باز صاحبؒ کے سن وفات کو غلط ماننا پڑے گا۔ دوسری کتابوں کے مطالعہ سے یہ سن دونوں حضرات کے صحیح معلوم ہوتے ہیں اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملتان کے دوران قیام لال شاہ باز صاحبؒ نے حضرت بخاری صاحبؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اور وہاں مراقبہ وغیرہ کے ذریعہ استفادہ کیا ہو تو یہ بڑی حد تک ممکن ہے۔ بہرحال مختصر تذکرہ حضرت بخاری صاحبؒ کا ناظرین کی معلومات کیلئے تحریر کیا جارہا ہے

حضرت بخاری صاحبؒ بمقام اُچ شریف ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید احمد کبیر تھا۔ پہلے سہروردیہ سلسلہ سے داخل بیعت ہوئے۔ اس کے بعد شیخ رکن الدین ملتانیؒ سے خلافت حاصل کی۔ تمام اسلامی ممالک کی سیاحت کی۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں عرصہ تک قیام پذیر رہے اسکے بعد پاکستان سابق ہندوستان میں واپس آئے اور اُچ کی سکونت اختیار کرلی گویا اپنے آبائی وطن میں سلسلہ سلوک اور مذہب اسلام کی اشاعت میں مصروف ہوگئے تاریخ سندھ میں ابوظفر ندوی لکھتے ہیں کہ محمد غوری کے زمانہ میں سندھ میں تین بڑے شہر تھے، جن میں سے ایک اُچ (اُچھ) تھا جو سندھ کے شمال میں ملتان کے قریب تھا۔

اُچھ میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ سے سلسلہ چشتیہ میں فیض حاصل کیا۔ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سلطان نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جہانیاں علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ کو ۱۴ خانوادوں سے خلافت حاصل تھی۔ اور جہانیاں جہان گشت کا لقب آپ کو شیخ ابوالفتح ملتانی صاحبؒ نے دیا تھا اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدومؒ نے شیخ ابوالفتحؒ ملتانی کو زینہ سے اُترتے ہوئے دیکھا تو سیڑھیوں پر لیٹ گئے تاکہ شیخ کا قدم ان کے سینہ پر پڑے شیخ نے جب یہ حال دیکھا تو اٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور فرمایا تم مرتبہ ولایت پر فائز ہوگئے اور آج سے جہانیان جہان گشت بن گئے۔ بس اسی دن سے اس لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے چوہتر سال کی عمر میں ۷۸۱ھ میں وفات فرمائی۔ اور اُچھ شریف میں دفن کئے گئے۔ ہر سال آپ کا عرس دس ذی الحجہ کو ریاست بہاول پور میں قصبہ اُچھ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اور ہزاروں عقیدت مند دور دراز علاقوں سے شرکت کرنے آتے ہیں۔ حضرت مخدوم کے دادا کا نام حضرت سید منیر شاہ جلال الدین میر سرخ بخاری علیہ الرحمۃ تھا۔

لال شاہ بازؒ اور شیخ عارفؒ

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ عرصہ ملتان میں حضرت شیخ صدرالدین عارف علیہ الرحمۃ سے بھی استفادہ اور صحبت کا موقعہ ملا۔ حضرت عارفؒ صاحب حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے نامور فرزند تھے۔ ۶۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ہر قسم کے علوم گھر ہی پر اپنے والد ماجد سے حاصل کئے اور پھر ان ہی سے سلوک میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد زبردست اولیاء اللہ میں

Scanned with CamScanner

شمار کئے گئے اور بڑے باکمال عالم اور ولی بنے۔ والد صاحبؒ کے انتقال کے بعد لاکھوں روپیوں کی جائیداد ملی مگر ان کا دل مال و زر سے اچاٹ تھا۔ سب راہ مولیٰ میں خرچ کر دیا۔ والد کے زمانہ کا خزانہ خالی ہوگیا۔ سخاوت ایک دریا تھا جو ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ کسی نے کہا کہ آپکے والد کے خزانے بھرے رہتے تھے مگر آپ کا خزانہ دولت سے خالی رہتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے والد صاحب نے دنیا پر غلبہ پا لیا تھا اور ان پر مال کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا مگر میں دنیا اور اس کے اسباب مال و دولت سے ڈرتا ہوں کہ یہ میرے اوپر غالب نہ آجائے۔ اس لئے رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عارف صاحبؒ کی صحبت سے بہت سے لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ ان میں حضرت قلندر صاحبؒ خصوصی درجہ رکھتے ہیں۔ دوسرے لوگوں میں شیخ حسام الدین ملتانیؒ ہیں۔ یہ حضرت بدایوں میں اشاعت اسلام پر مامور کئے گئے تھے۔ دوسرے حضرت شیخ جمال خندانؒ۔ اور مولانا علاؤ الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ بڑی شہرت رکھتے ہیں۔

حضرت عارف صاحبؒ نے ۶۷۶ھ میں وفات فرمائی۔ سفینۃ الاولیاء، مراۃ الاسرار، اور اخبار الصالحین میں تاریخ وفات ۶۸۴ھ بیان کی گئی ہے۔ آپکا مزار اپنے والد صاحبؒ کے پہلو میں ہے۔ آپ کی صوفیانہ اور پاکیزہ زندگی کا پورا حال معلوم کرنیکے لئے آپ کے ملفوظات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ حضرت لال شاہ باز صاحبؒ نے آپ کے علم اور صحبت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا بعض مدت فیض ۱۳ برس بیان کرتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ ۶ برس ملتان میں رہے اور اس دور کے مشاہیر بزرگوں سے فیض حاصل کرتے رہے۔

لال شاہ باز اور خان شہید

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے خان شہید ابن سلطان بلبن کو بہت زیادہ عقیدت تھی۔ خان شہید نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ حضرت قلندر صاحبؒ ملتان میں قیام فرمائیں مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت قلندر صاحبؒ کے لئے سیوستان قدرت کی طرف سے ان کا آخری مقام و مرکز مقرر ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خان شہید نے ملتان میں حضرت قلندر صاحبؒ کے لئے ایک بہت عمدہ خانقاہ بھی بنوائی تھی مگر خان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور آپ نے سیوستان ہی کو پسند کیا۔ البتہ آپ سیوستان سے ملتان آتے رہتے تھے اور حضرت عارف

صاحبؒ کی محفل سماع میں شرکت فرماتے رہتے تھے۔

خان شہید کا پورا اور اصلی نام سلطان محمد تھا۔ یہ غیاث الدین بلبن کے فرزند تھے۔ بلبن کو اپنے اس فرزند سے بہت محبت تھی اور انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خان شہید بہت ہی فرتاض اور صالح قسم کے نوجوان شہزادے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو گہرا لگاؤ اور قرب حاصل تھا اور وہ اکثر ان حضرات کی خدمتوں میں حاضر نظر آیا کرتے تھے۔ بلبن کی تمام تمناؤں کا وہ مرکز تھے اور ان کی خدمت یہ تھی کہ وہ بزرگان دین، علماء اور امیر خسروؒ اور امیر حسن جیسے نامور شعراء کا خیال رکھیں اور ان کی ہر طرح خدمت اور آرام کی فکر کرتے رہیں۔

غیاث الدین بلبن نے خان شہید کو منگولوں کی روک تھام کیلئے مقرر کیا تھا چنانچہ یہ ان ہی کی روک تھام میں لگے رہے اور ان ہی سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ غیاث الدین بلبن کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ چنگیز خان کے دور میں گرفتار کئے گئے اور بغداد میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت کئے گئے۔ ایک بزرگ جن کا نام جمال الدین بصری بیان کیا جاتا ہے انہوں نے غیاث الدین بلبن کو خرید لیا اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا۔ اسکے بعد غیاث الدین بلبن دہلی آئے اور شاہی ملازمت اختیار کری۔ بہشتی اور فراش کی معمولی خدمت پر لگے مگر شیخ جمال الدین بصری کی تعلیم نے اتنا ہوشیار کر دیا تھا کہ وہ بڑی جلدی ترقی کرتے کرتے نائب المماالک بن گئے۔ ۶۶۴ھ میں جب سلطان ناصر الدین محمود نے وفات پائی تو بلبن کو دہلی میں ہندوستان کا بادشاہ بنایا گیا۔ سلطان بلبن نے ۶۸۶ھ میں وفات پائی۔

ملتان ایک قدیم شہر ہے۔ یہ کب آباد ہوا اسکے متعلق کچھ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے البتہ مجمع الاسرار کا بیان ہے کہ سام بن نریمان اس علاقہ میں شکار کے لئے آیا کرتا تھا۔ اسے یہ جگہ بہت پسند تھی اس نے یہاں ایک شہر کی بنیاد رکھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس شہر کا نام اپنے نام پر نریمان رکھا ہو اور پھر زمانہ گذرتے گذرتے نریمان سے ملتان بن گیا۔

لال شاہ باز سیوستان میں

اب وہ زمانہ پورا ہو چکا تھا جس میں حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو اکتساب فیض اور تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی۔ طویل سیر و سیاحت اور عرصہ تک دہلی و پانی پت کے قیام اور

پھر لاہور وغیرہ کے بعد ملتان آپ کے حصول علم اور اکتساب فیض کی آخری منزل تھی۔ بزرگوں کی صحبت نے اب آپکو اس قابل بنادیا تھا کہ آپ اپنے اصل مستقر سیوستان کی طرف جائیں اور اس علاقہ کے باشندوں کو دین اسلام اور اخلاق و اعمال کی تعلیم دیں اور ان کو گناہوں میں ڈوبی ہوئی زندگی سے نکال کر اس راستہ پر لگائیں جس کے لئے ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کام کرتے رہے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت پر لگاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ ملتان سے سیوستان میں تشریف لے آئے گویا اپنی اُس آخری منزل اور دائمی آرام گاہ میں پہنچ گئے جہاں اللہ کے دین کے لئے کام کرنا تھا اور اللہ ہی کے نام پر جان دے کر دائمی نیند سونا تھا۔

سیون نام کی وجہ

سیوستان کو سیون بھی کہتے ہیں۔ یہ سندھ کا بہت قدیم شہر ہے۔ مشہور مورخ صاحب تحفۃ الکرام بیان کرتے ہیں کہ سیون کو ایک شخص سہوان نے آباد کیا تھا۔ یہ سہوان سندھ کی اولاد سے تھا۔ اسی سندھ کی وجہ سے اس پورے علاقے کو صوبہ سندھ کہا جانے لگا۔ شروع میں یہ شہر سہون راجان الور کے ماتحت تھا۔ اسکے بعد ٹھٹھہ کے بادشاہوں کی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ جب شاہ بیگ ارغون نے سندھ کی حکومت حاصل کی تو یہ شہر سہون اس کے ہاتھ میں چلا گیا مگر شاہ بیگ نے اسکو ٹھٹھہ سے الگ کر دیا تا کہ انتظام میں آسانی ہو سکے۔ اس کے بعد جب شاہ حسن ارغون کی حکومت کا زمانہ آیا تو اس نے اسکو پھر ٹھٹھہ میں شامل کر لیا۔

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں سندھ کو مغلیہ حکومت کا صوبہ بنایا گیا تو سیوستان یعنی سہون کا الگ ایک حاکم مقرر کیا گیا۔ اب خدا یار خان کلہوڑا کے زمانہ سے پہلے کی طرح سیون سندھ میں شامل ہے۔

لال شاہ باز کی پہلی کرامت

حضرت لال شاہ باز قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملتان سے سیون میں تشریف لا کر جس علاقہ کو اپنی سکونت کیلئے پسند فرمایا وہ پورا علاقہ پیشہ ور عورتوں کا علاقہ کہلاتا تھا۔ ہزاروں عورتیں جو اس محلہ میں رہتی تھیں وہ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتی تھیں مگر زنا کاری ان کا ذریعہ گذر اوقات تھا۔ وہ عورتیں کہا کرتی تھیں کہ ہم زنا نہیں کرتے ہیں بلکہ یہ تو ایک طرح کا متعہ ہے جو پھر

وقت ہر شخص سے کیا جاسکتا ہے اور ہمارے مذہب میں یہ طریقہ بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اور (معاذ اللہ) ہمارے تمام امام جو بارہ ہیں اور دنیا سے گذر چکے ہیں اور جن میں پہلے امام حضرت علیؓ ہیں سب یہ کیا کرتے تھے اور آج تک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ بہرحال حضرت قلندر صاحبؒ نے سب سے پہلے ان فاحشہ اور کسبی عورتوں کی طرف توجہ فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے زناکاری اور فحاشی کا جو بازار متعہ کے نام سے گرم ہو رہا تھا اس کے سرد ہونے کی دعا فرمائی۔ اور عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ تیرا بندہ (عثمان) تو خود تیرے نامور بندوں کی اولاد میں ہے میرے دادا علیؓ اور حسینؓ نے تو اسکی سخت مخالفت فرمائی ہے اور یہ بدچلن عورتیں ان پاکبازوں پر الزام لگا رہی ہیں۔ اے میرے اللہ! ان کو ہدایت اور پاکبازوں کا راستہ دکھا توبہ کی توفیق عطا فرما اور میرے آباؤ اجداد کے بتائے ہوئے سچے راستہ پر چلنے کی ہدایت دے۔ اللہ اللہ! یہ بڑے گندے اور دین کو خراب کرنے والے لوگ ہیں ان کی گندگی اور گندی باتوں سے دین کو بچائے رکھنا۔ حضرت قلندر صاحبؒ کی اس دعا نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے ان زانیہ عورتوں کے دل نیکی کی طرف متوجہ کردیئے اور وہ سب جمع ہو کر حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ حضرت صاحبؒ ہم کو توبہ کرائیے اور ہم نیکی اور اچھے اخلاق کی بیعت کرتے ہیں۔

حضرت قلندر صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نفل شکرانہ ادا کئے اور ان تمام عورتوں کو توبہ کرائی اور ان سے نیکی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی بیعت لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بدل دیئے اور وہ بدترین علاقہ نیک عورتوں کا علاقہ بن گیا۔

دوسری کرامت

کہتے ہیں کہ ان عورتوں کی توبہ اور بیعت کے بعد میں زناکار مردوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ اور انہوں نے لال شاہ باز صاحبؒ کے متعلق جادوگر ہونیکا شور مچانا شروع کر دیا اور عورتوں سے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے اور تم کو تمہارے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے لہٰذا تم اس کے کہنے میں مت آنا یہ اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ان کے باپ دادا کے طریقہ سے ہٹا کر گمراہ اور بے دین بنا چکا ہے۔ کیا تم یہ بات بھول گئی ہو کہ تم جس طریقہ پر عمل کرتی چلی آئی ہو وہ حضرت علیؓ اور تمام اماموں کا خاص طریقہ ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہماری نجات ہے

مگر حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ کی دعا نے ایسا اثر کیا تھا کہ مردوں کے شور مچانے اور عورتوں کو سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عورتیں جو توبہ کر چکی تھیں وہ اپنے فیصلہ پر جمی رہیں اور بدستور حضرت قلندر صاحبؒ کے قریب بیٹھی رہیں اور انہوں نے مردوں سے صاف صاف کہدیا کہ تم لاکھ کہو مگر اب ہم اس بُرے کام کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اللہ نے ہم کو ہدایت کے راستہ پر لگایا ہے اور یہ ہماری بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ اب تم جاؤ یا پھر ہماری طرح اللہ کے دین کے راستہ پر آجاؤ اور وہ ہدایت حاصل کرو جو خوش قسمتوں کو ملتی ہے ہدایت یافتہ عورتوں کی باتوں نے زانی مردوں پر کوئی اثر نہیں کیا اور وہ شور مچاتے ہوئے حضرت قلندر صاحبؒ کے قریب آگئے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے جب دیکھا کہ ان کی نیت خراب ہو رہی ہے اور یہ فساد کے درپے ہو رہے ہیں تو آپ نے قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی پریشانی کا حال بیان کیا اور عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ! میں تنہا ہوں اور تیرے بھروسہ پر تیرے نام کی تبلیغ کر رہا ہوں تو میری مدد فرما اور ان شرارت پسندوں کو ان کے فاسد ارادوں سے باز رکھ اور ان کے دل میں نیکی کا جذبہ پیدا فرما۔ تاکہ یہ بُرائی سے نکل کر بھلائی کی طرف آجائیں اور اس نئے مقام میں جہاں تیرے دین کو غالب کرنے کا خیال کرتا ہوں ہر طرف بھلائی اور نیکی کا بول بالا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قلندر صاحبؒ کی یہ درخواست بھی قبول فرمائی اور جو لوگ شور مچا رہے تھے اور عورتوں کو چھیننے کی تدابیر کر رہے تھے ان کے دل میں ایک دم ہدایت کا جذبہ پیدا ہوا اور سب کے سب حضرت قلندر صاحبؒ کے سامنے زمین پر گر گئے اور زور زور سے توبہ توبہ کہنے لگے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے ان سب کو اٹھایا، وضو کرایا اور سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسلام کے سچے اصولوں اور عقائد کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ سب تائب ہو کر بھلائی کی طرف آگئے اور وہ سیون جو کچھ پہلے بدکاری کے لئے مشہور تھا اور جہاں پیشہ ور زانیوں کا ہر آن مجمع لگا رہتا تھا ایک دم گناہوں سے دور نظر آنے لگا۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے مردوں کو ہدایت ملنے اور توبہ کی توفیق حاصل ہونیکے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور دیر تک بارگاہ الٰہی میں سجدہ کئے اسکا ذکر کرتے رہے۔

لال شاہ باز کی خانقاہ

سیوستان میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد حضرت قلندر صاحبؒ نے کسی عورتوں اور انکے آدمیوں

کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے راہ ہدایت پر لگانے کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ اپنے رہنے کے لئے ایک حجرہ بنایا اور اس کے ساتھ ہی ایک خانقاہ تعمیر کرائی جو سیوستان میں ہدایت کا مرکز بن گئی آپ کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گذرنے لگا۔ تبلیغ کے لئے آپ آس پاس کے علاقوں میں کبھی آپ تشریف لے جاتے اور دیہات میں جاکر اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستہ کی طرف بڑے محبت اور اخلاق سے بلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے زبان میں تاثیر عطا فرمائی تھی جس سے مخاطب ہو کر کوئی بات فرماتے اس کا اثر ہوتا اور بڑی جلدی اللہ کے بندے آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ خانقاہ میں باہر سے آنے والوں کا ہجوم لگا رہتا۔ اور لوگ آپ کی نصیحتوں پر عمل کر کے دین کے پابند ہو جاتے۔ سیوستان میں اگرچہ پہلے بھی کچھ اللہ والے آئے تھے اور اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ہدایت کی طرف بلانے کی کوشش کرتے رہے مگر حضرت قلندر صاحبؒ کی تبلیغ نے بڑا کام کیا اور ہزاروں اللہ کے بھٹکے ہوئے بندے راہ ہدایت پر آگئے اور آپ کی خانقاہ فیض پانے والوں سے ہر وقت بھری نظر آنے لگی۔

کرامتوں کا ظہور

اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے کرامتوں کا ظہور ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے نبیوں سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزہ کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے مقبول اور محبوب بندوں کے ذریعہ کرامتوں کا ظہور فرماتا ہے۔ کسی کرامت کا دکھانا اولیاء کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کسی پسندیدہ کام کے سلسلہ میں کسی ولی کی مدد فرمانا چاہتا ہے تو اسکی درخواست پر یا بلا درخواست کے کرامت ظاہر فرماتا ہے۔ اور اس طرح اللہ سے بھاگنے والے بندے ایک ولی کی کرامت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے سچا ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔

حضرت لال شاہ باز سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ کچھ کرامتوں کو کتابوں میں بیان کیا گیا ہے اور کچھ ایسی ہیں جو عوام میں مشہور ہیں۔ ہر اس کرامت کو سچا ماننا چاہئیے۔ جو معجزے کے خلاف نہ ہو۔ اور جس سے دین کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اور جو دین کو پھیلانے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کو منوانے کے لئے ظہور میں آئی ہو۔ چند کرامتوں کا بیان کیا جا رہا ہے۔

گاؤں کی تباہی

اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کبھی کسی کو پریشان نہیں کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ سراسر محبت اور اخلاق کا طریقہ ہوتا ہے۔ البتہ جب کوئی ان سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلانے کے لئے اذیت اور لڑائی پر اتر آتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی نظر جلال حرکت میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے شرارت کرنے والوں کی تباہی کی درخواست کرتے ہیں۔ یہی طریقہ تمام انبیائے کرام کا رہ چکا ہے اور اسی طریقہ پر اولیاء اللہ عمل کرتے آئے ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ نیک بندوں نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائی ہیں اور صبر کیا ہے اور ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے جیسا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیا کہ باوجود مقبول بارگاہ ہونے کے آپ نے دشمنوں کی تباہی کے لئے بد دعا نہیں فرمائی اور جملہ مصاحب صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ اپنا پورا گھر بار اور اپنی جان اور اپنے جگر گوشوں کی جانیں تک اللہ کے راستہ میں خاموشی سے قربان کر دیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اپنی جائے قیام سیون شریف کے کے علاوہ آس پاس کے دیہات میں بھی تبلیغ دین کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس گاؤں کے رہنے والوں کو نیکی کا راستہ دکھانے کیلئے وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ سیون سے چند میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ایسا بھی تھا کہ جہاں کے رہنے والے سرکش اور دین کے بہت بڑے دشمن تھے۔ بہت سے اللہ کے نیک بندوں نے اس گاؤں میں جاکر گاؤں والوں کو ہدایت کی طرف بلایا مگر وہ ہمیشہ سب کو تکلیف پہنچاتے رہے۔ حضرت قلندر صاحبؒ بھی اس گاؤں میں گئے اور بار بار گئے۔ گاؤں والوں کو محبت سے سمجھانے کی کوشش کی مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اخلاق اور نرمی کو جب انہوں نے ٹھکرا دیا تو حضرت قلندر صاحبؒ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے بدکرداروں کی تباہی کے لئے درخواست کی۔ چند راتیں گذرنے کے بعد آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ گاؤں میں جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں ان کو اپنے گھروں سے باہر آنے کا حکم دیجئے۔ چنانچہ حضرت قلندر صاحبؒ نے ایک دن اس گاؤں میں اعلان کرا دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کاموں کی پابندی کرتے ہیں وہ آفتاب ڈوبنے سے پہلے پہلے اپنے گھروں سے باہر آجائیں۔ اس اعلان کے ہوتے ہی اللہ والوں نے اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لیکر گھروں سے نکلنا شروع کر دیا اور غروب آفتاب سے قبل سب گھروں سے باہر آگئے شرارت پسند مذاق اڑا رہے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ سب کچھ ہمیں ڈرانے کیلئے

Scanned with CamScanner

کیا جارہا ہے۔ آخر رات شروع ہوگئی اور شرارت پسند لوگ اپنے گھروں میں جاکر سوگئے۔ آدھی رات کے بعد زلزلہ کے جھٹکے شروع ہوئے، بدکرداروں نے گھر سے نکلنے بھاگنے کی کوشش کی مگر کوئی کامیاب نہ ہوسکا اور ان کے گھر دیکھتے دیکھتے لئے ہوگئے۔ تمام بدکردار دب کر مر گئے مگر اللہ کی قدرت سے ان لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا جو حضرت قلندر صاحبؒ کو ستاتے نہیں تھے سب بچے محفوظ رہے اور ان کی ماؤں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت اور اس کے غضب نے آس پاس کے بہت سے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہزاروں آدمی تائب ہوکر بھلائی کے راستہ پر آگئے۔ کہتے ہیں کہ اس گاؤں کے لٹنے کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں اور لوگ حضرت قلندر صاحبؒ کے مزار کے قرب وجوار میں گناہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا خوف محسوس کرتے ہیں۔ درحقیقت اس قسم کی کرامات کے ظہور سے ایک طرح کی ترہیب مقصود ہوتی ہے تاکہ لوگ ڈر کر نیکی کی طرف آجائیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ وہی تو اپنے بندوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ان بندوں کو بھی کھانے کو دیتا ہے اور زندہ رکھتا ہے جو اسکی نافرمانی کرتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کی باتوں پر کان نہیں لگاتے ہیں۔

قحط دُور ہوگیا

عام طور پر یہ کرامت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ سیہون میں اور آس پاس کے علاقے میں بڑا سخت قحط پڑا اور اتنا سخت تھا کہ اسکے اثرات پورے علاقہ میں شدت سے محسوس کئے جارہے تھے۔ بارش بند ہوگئی تھی، کھیت سوکھ گئے تھے، زمین میں پانی نیچے بیٹھ گیا تھا اور کنوئیں اتنے گہرے ہوگئے تھے کہ دور تک پانی نظر نہیں آتا تھا۔ غرض ہر طرف پریشانی اور تباہی مچی ہوئی تھی۔ آخر علاقے کے صدہا آدمیوں نے حضرت شاہ باز قلندر صاحبؒ کی خانقاہ کو گھیرا اور فریاد کرنے لگے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے اپنے حجرے سے باہر آکر لوگوں کو سمجھایا اور فرمایا کہ سب لوگ توبہ کرو اور میرے پیچھے کھڑے ہوکر جب میں دعا مانگوں تو تم سب بلند آواز سے آمین کہتے جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے اور اپنے گناہوں پر معافی مانگتے ہوئے حضرت قلندر صاحبؒ کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے قبلہ رُخ کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کی اور سب لوگ بلند آواز سے آمین کہتے رہے۔ آپ نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ:۔

"اے میرے رب! میں تیرا ایک بہت ہی عاجز اور مسکین بندہ ہوں۔ میرے گنہ اتنے زیادہ ہیں کہ مجھے تیرے سامنے حاضر ہوتے ہوئے شرم آتی ہے مگر میں تیرے حکم کے مطابق تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اس مشکل میں تجھے پکارنے کی ہمت کر رہا ہوں۔ اے اللہ! اپنی رحمت اور اپنے کرم پر نظر فرما اور میرے گناہوں کی کثرت کو نہ دیکھ!

یہ تیرے بندے میرے پاس آئے ہیں اور میں ان کو تیری بارگاہ میں لیکر آیا۔

اے اللہ! میری فریاد کو سُن لے اور اس قحط سے اپنے بندوں کو نجات عطا فرما۔

اے اللہ! اپنے آسمانوں کو حکم دے کہ وہ پانی برسائیں اور اپنی زمین کو حکم دے کہ وہ سبزہ اُگائے۔ اپنے چشموں کو حکم دے کہ وہ پانی سے بھر جائیں، اپنے کنوئوں کو حکم دے کہ وہ پانی سے اُبلنے لگیں۔ اے اللہ! رحم فرما، کرم فرما۔ اور ہم سب کی فریاد کو سُن لے اور ہم سب کو اس عذاب سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! ہم تجھے تیرے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتے ہیں اور التجاء کرتے ہیں کہ ہماری آہ وزاری پر ہماری طرف نظر کرم سے دیکھ اور یہ قحط جس نے تیرے بیشمار بندوں کو نڈھال اور پریشان بنا دیا ہے۔ ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔ اے اللہ! ہم بڑی امیدوں کے ساتھ تیری بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں اور تیری رحیمی و کریمی سے امید کرتے ہیں کہ تو ہم کو ناکام واپس نہیں فرمائے گا۔"

بیان کیا گیا ہے کہ اس دعا کے ختم ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت فرمائی اور ابھی لال شاہ باز صاحبؒ اپنی خانقاہ میں پہنچے بھی نہیں تھے کہ آسمان سے پانی برسنا شروع ہو گیا چشمے جاری ہو گئے، اور باغات و کھیتوں میں جو کنوئیں تھے ان سے پانی اُبلنے لگا۔ ایک رات گذرنے پائی تھی کہ خشک زمین شاداب ہو گئی اور ہر طرف سبزہ نظر آنے لگا، انسانوں اور جانوروں میں زندگی کی لہر پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نیک بندے کی دعا قبول فرمائی اور اپنے بندوں پر سے اس عذاب کو اٹھا لیا جو پورے علاقہ کو پریشان کئے ہوئے تھا۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے دوسرے دن اپنی خانقاہ میں جشن مسرت منایا اور غرباء کو دعوت طعام دی اور بعد عشاء ذکر رسُول میں ایک محفل خاص کا انعقاد کیا۔

بیماروں کو شفا

حضرت شاہ باز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی کرامت یہ بھی مشہور ہے کہ آپکے پاس آنے والا کوئی بیمار کبھی مایوس نہیں جاتا تھا۔ جب کسی بیمار کو دیکھتے تھے تو اس پر گہری نظر جما دیتے تھے اور فرماتے تھے "اے بیماری! میں اللہ تعالیٰ کے نام کا تجھے واسطہ دیتا ہوں کہ تو اس کے پاس سے چلی جا۔" اس جملہ کے کہتے ہی بیمار میں تندرستی کے آثار پیدا ہونے لگتے تھے۔ اسکے بعد آپ قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرما کر پانی پر دم کر دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس پانی کو بیمار کو پلاؤ اور بیمار کی آنکھوں پر لگاؤ۔ تیمار دار آپ کی نصیحت پر عمل کرتے تھے اور بیمار اچھے ہو جاتے تھے۔ آپ جو آیات تلاوت کرتے تھے وہ قرآن کریم کی دو سورتیں ہوا کرتی تھیں۔ یعنی سورۂ والناس اور سورۂ فلق۔ پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد آپ کلمہ طیبہ ایک مرتبہ پڑھکر خلفاء راشدین کے نام کے واسطے سے مریض کی شفاء کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا یہ معمول اتنا مجرب تھا کہ کبھی کسی مریض کو آپ کے یہاں سے مایوس واپس جانے کا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو شفاء عطا فرماتا تھا۔

یہ بھی روایت مشہور ہے اور دن رات بیمار اس کا تجربہ کرتے رہتے ہیں کہ آپ کے مزار پر حاضر ہونے کے بعد آپ کی روح پر فاتحہ پڑھی جائے اور ایصال ثواب کے بعد ایک مرتبہ الحمد، ایک مرتبہ کلمہ طیبہ اور اس کے بعد چاروں خلفاء کا نام لیکر اللہ تعالیٰ سے شفا کی درخواست کی جائے تو بیمار کو صحت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت سے بیمار دور دراز سے مزار پر آتے ہیں اور مذکورہ بالا طریقہ پر عمل کرکے صحت حاصل کرتے ہیں۔ ہر روز نئے نئے بیماروں کے آنے کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ اور اللہ کے بندے صحت یاب ہو کر واپس جاتے ہیں۔ مزار کے قریب بہت سے فقیر فقراء رہتے ہیں اور وہ بیماروں کو دعا مانگنے اور آیات و کلمات پڑھوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب کام اللہ کے نام پر اللہ کے بندوں کی مدد کے لئے اگر کیا جاتا ہے تو فائدہ ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

مسواک درخت بن گئی

حضرت لال شاہ باز صاحب کی یہ کرامت عام طور پر مشہور و معروف ہے کہ آپ اپنی خانقاہ کے صحن میں وضو کر رہے تھے جس جگہ وضو فرما رہے تھے وہاں دھوپ تھی۔ چند مریدین نے

عرض کیا کہ حضرت اس جگہ ہم ایک سایہ دار درخت لگائیں گے تاکہ کچھ دن بعد سایہ ہو جائے اور اسکے سائے میں لوگوں کو بیٹھنے کا آرام ملے۔ آپ نے وضو سے فارغ ہو کر ایک مرید کو اپنی مسواک دیدی فرمایا" اسی جگہ اسکو زمین میں کھڑی کرکے لگا دو۔ مُرید صاحبؒ نے حسب الحکم مسواک زمین میں گاڑ دی۔ اللہ کی شان کہ دوسرے دن اس میں ہری شاخیں نمودار ہو گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے چند روز میں اس مسواک نے درخت کی شکل اختیار کرلی۔ اور بڑی جلدی ایک سایہ دار درخت تیار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جب تک آپ حیات رہے یہ درخت بڑھتا اور پھیلتا رہا اور اسکے سایہ سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہے اور جس دن آپ نے وفات فرمائی درخت خود بخود سوکھنا شروع ہو گیا۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی اور اس کی جڑ میں پانی وغیرہ ڈالا مگر درخت سوکھتا ہی گیا یہاں تک کہ چند روز میں اسکا نام ونشان ختم ہو گیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب تک وہ درخت قائم رہا کوئی شخص یہ نہیں بتہ لگا سکا کہ یہ کس چیز کا درخت ہے۔ صرف ہرے پتے اور گھنے شاخوں کے سوا نہ پھول اس میں آتے تھے اور نہ پھل آتے تھے۔ اللہ کی شان کا یہ عجیب کرشمہ تھا۔

لفظ قلندر کی وجہ تسمیہ

حضرت قلندر صاحبؒ کا اسم گرامی محمد عثمان تھا مگر آپنے لال شاہ باز قلندر کے نام سے شہرت حاصل کی۔ محمد عثمان نام رکھنے کی وجہ بھی یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کے والد حضرت سیّد محمد کبیرالدین صاحبؒ کے کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی اور وہ قطع نسل کے خیال سے سخت پریشان رہتے تھے۔ چنانچہ ایک خواب میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور عرض کیا کہ یا امیرالمومنین! آپ میرے حق میں اولاد کیلئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجئے کہ وہ مجھے فرزند عطا فرمائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا! احمد! اللہ تعالیٰ تم کو بیٹا عطا فرمائے گا مگر ایک میری بات یاد رکھنا کہ جب فرزند تولد ہو تو اسکا نام محمد عثمان رکھنا اور جب وہ تین سو چوراسی ۳۸۴ دن کا ہو جائے تو اسکو لیکر مدینہ حاضری دینا اور حضورؐ کے سلام کے بعد حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار پر لیجانا اور سلام عرض کرنا چنانچہ یہ خواب پورا ہوا اور جب آپ پیدا ہوئے تو والد نے محمد عثمان نام رکھا۔ اور تین سو چوراسی ۳۸۴ دن جب پورے ہوئے تو مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور حسب وصیت تمام کام انجام دیئے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تین سو چوراسی دن کی قید میں یہ اشارہ تھا کہ لفظ قلندر کے بھی ۳۸۴ عدد نکلتے ہیں بہرحال لفظ قلندر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں اور بھی متعدد روایات زبان زد خاص وعام ہیں اور

Scanned with CamScanner

جن کو ہم نے پچھلے اوراق میں حوالہ کتاب بھی کیا ہے۔ ان روایتوں میں تھوڑا بہت اختلاف اور تضاد بھی پایا جاتا ہے مگر ہم نے ہر بات جیسی ہم کو پہنچی ہے اور ملی ویسی ہی یہاں بیان کر دی ہے اللہ والوں کے معاملات میں ہم کسی تحقیق کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ جہاں جیسا ہے اسے ویسا ہی بیان کر دینا چاہیئے البتہ کوئی ایسی روایت نہیں بیان کرنا چاہیئے جو دینی معاملات و احکامات کے خلاف ہو اور جس سے دین کو شریعت کو اور اللہ کی کتاب اور اسکے رسولؐ کی تعلیمات کو نقصان پہنچتا ہو یا وہ بات اصول دین اور شریعت کے خلاف ہو۔

لال شاہ باز کیوں کہتے ہیں

جس طرح حضرت لال شاہ باز قلندر نام مشہور ہونے کے سلسلہ میں بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں اسی طرح لفظ قلندر سے پہلے لال شاہ باز کے لفظ کے لگائے جانے کی بھی بہت سی وجوہات اور واقعات ہیں۔ چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ لال رنگ کو بہت پسند کرتے تھے ہر وہ چیز جس کا رنگ لال ہوتا تھا آپ کو اچھی معلوم ہوتی تھی اور آپ اسے بہت غور سے دیکھتے رہتے تھے اور یہ بات بھی مشہور اور معروف ہے کہ آپ لال رنگ کا لباس استعمال کیا کرتے تھے اور چلنے پھرنے اور عبادت و تبلیغ کرنے میں بڑے جان باز اور بہت تیز واقع ہوئے تھے اس لئے لال کے ساتھ شاہ باز کا لفظ بھی آپ کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک بات یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ سفید لباس پہنا کرتے تھے مگر ایک مرتبہ دہلی میں ایک مولوی صاحب اپنے وعظ میں سُرخ رنگ کا ذکر کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سُرخ رنگ بہت پسند تھا چنانچہ اسی دن سے آپ نے سُرخ رنگ اختیار کر لیا۔ اور ایک قصہ یہ بھی مشہور ہے کہ آپ عالم جذب میں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے کھیل رہے تھے ان کو آسمان کی طرف اُچھالتے تھے اور پھر اپنے کرتے کا دامن پھیلا کر ان کو دامن میں لے لیا کرتے تھے۔ کسی شخص نے کہا کہ کیا پتھروں سے کھیل رہے ہو۔ تم جیسے اللہ والے کو تو لعلوں سے کھیلنا چاہیئے۔ آپ نے یہ بات سُن کر کُرتے کا دامن چھوڑ دیا۔ اور وہ پتھر جو کُرتے کے دامن میں تھے سب لعل بنکر زمین پر گر گئے اور چاروں طرف سُرخ روشنی سی پھیل گئی۔ اور آپ اس دن سے لال شاہ باز کہے جانے لگے۔ یہ نام دو طرح لکھا ہوا کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک "لعل شہباز قلندر" اور دوسرے "لال شاہ باز قلندر" غرض صحیح حال تو اللہ

تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ محمد عثمان کو لعل شہباز قلندر یا لال شاہ باز قلندر کے کہنے کی اصلی وجہ کیا تھی۔ کچھ لوگ آپ کے نام کے ساتھ مخدوم کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو مخدوم کا خطاب ملتان سے ملا تھا جبکہ آپ ملتان میں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس منازل سلوک طے فرما رہے تھے۔

تذکرہ صوفیائے سندھ نے اس سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ :

"آپ کا اسم گرامی عثمان تھا لیکن عام طور پر لعل شہباز قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا آپ کے والد ماجد کا نام سید کبیر تھا اور آپ حضرت امام محمد باقر صاحب کی اولاد سے ہیں۔"

بیعت وسیاحت کے سلسلہ میں اسی کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ :

"سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا اور ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الٰہی سے اپنے قلب کو روشن ومنور بنا کر بابا ابراہیمؒ سے خلافت حاصل کی اور بہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے۔ اس کے بعد بھی روحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتے رہے اور مختلف اولیاء اور صوفیائے کرام کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے جن میں شیخ فرید گنج شکرؒ، حضرت زکریا ملتانیؒ۔ حضرت مخدوم جہانیان جہان گشت جلال الدین بخاریؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں اور شیخ صدر الدین عارف سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔"

پہلی برکت

سیوستان میں آپ کے قیام کے سلسلہ میں عام مورخین اور خصوصاً تذکرہ صوفیائے سندھ نے بیان کیا ہے کہ :

"اتفاقاً سیوستان میں آکر آپ جس محلے میں مقیم ہوئے وہ کسبی عورتوں کا محلہ تھا اس عارف باللہ کے قدوم میمنت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زناکاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا۔ نیکی اور پرہیزگاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔"

Scanned with CamScanner

پھر آگے چل کر اسی کتاب میں رشد و ہدایت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :-

"مخدوم شہباز قلندرؒ نے سیوستان میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستہ پر لگایا، ان کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔"

رنگ قلندری کا غلبہ

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی عمر کے آخری ایام جذب و سکر کے ایام تھے۔ قلندرانہ کیفیت طاری رہنے لگی تھی چنانچہ آپ بہت کم حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے مگر اسی حالت جذب میں بھی جب کوئی شخص بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتا تھا یا اذان کی آواز آتی تھی تو فوراً ہوش میں آجاتے تھے۔ یہ بات بھی عام طور پر مشہور ہے کہ آپ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیتا تھا تو آپ ہوش میں آکر بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے کہ "ھٰذَا اَمْرُ شَدِیْ ھٰذَا اَمْرُ شَدِیْ"

کہتے ہیں کہ جذب و سکر کا عالم ایک سال سے کم عرصہ قائم رہا اور آپ نے جب وفات فرمائی تو شعبان کی چاند رات سے یہ حالت بالکل ختم ہو گئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی آپ پر جذب کا عالم طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ صوفیائے سندھ کا بیان ہے کہ آخر عمر میں آپ نے قلندریہ مشرب اختیار کر لیا تھا اور جذب و سکر کی کیفیت طاری رہنے لگی تھی اور آپ کے قلندروں کو لال شہبازیہ کہتے ہیں۔"

لال شاہ باز عالم تھے

شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب موج کوثر میں ایک انگریز مورخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت قلندر صاحب بہت بڑے عالم اور بہت سی زبانوں کے جاننے والے تھے اور علوم صرف نحو میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ انگریز مورخ برٹن کے زمانہ ۱۸۵۲ء میں میزان الصرف اور صرف صغیر کتابیں جو عام طور پر مدارس عربیہ میں پڑھائی جاتی تھیں۔ وہ سب آپ کی تصنیف تھیں اور آپ ہی سے منسوب کی جاتی تھیں۔ میزان الصرف تو آج بھی درس نظامی میں شامل ہے اور عربی مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

حضرت قلندر صاحبؒ چونکہ مذہبی علوم کے عالم تھے اور فارسی و عربی زبان پر پورا عبور رکھتے تھے اس لئے اکثر اہل علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور مسائل و قواعد میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملتان میں حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس میں آپ نے کچھ عرصہ درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دی تھی۔ اور صرف و نحو کے شائقین خاص طور پر آپ سے سبق لیا کرتے تھے۔

شاعری کا ذوق

حضرت قلندر صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اپنے دور میں شعرائے صوفیاء میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ صوفیائے کرام کی محفلوں میں آپ کی غزلیات سماع کی جان ہوا کرتی تھیں۔ آپ عثمانؔ تخلص فرماتے تھے اور اس نام سے بڑی محبت رکھتے تھے، عقیدت مندوں نے آپکو متعدد القاب و خطاب دیئے اور وہ سب حیات ہی میں بکثرت استعمال ہونے لگے مگر آپ اسوقت بہت خوش ہوتے تھے جب کوئی شخص آپ کو محمد عثمان یا عثمان مروندی کہکر مخاطب کیا کرتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ نام مجھے اس لئے محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں میرے آقا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منسوب ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ اے میرے حبیب! عثمانؓ کی پہلی بیوی رقیہؓ انتقال کر گئی ہیں اور وہ مغموم رہتے ہیں لہٰذا آپ اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دیدیجئے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے میرے والد ماجد کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی اور انہوں نے میرا نام عثمان رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں اور شاعری میں اپنے نام کو ہی تخلص قرار دیا ہے۔

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کس درجہ محبت فرماتے تھے؟ اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کو اکثر حضرت قلندر صاحبؒ بیان فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قلندر صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں اپنے بستر پر آرام فرما رہے تھے۔ آپؐ اس وقت جو تہبند باندھے ہوئے تھے وہ ذرا اوپر چڑھ گیا تھا اور

آپ کی آدھی پنڈلی کھل گئی تھی۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح لیٹے رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو پھر حضور اسی طرح لیٹے رہے پھر اسکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے تہبند کو آپ نے نیچے کر لیا اور کھلی ہوئی پنڈلی چھپا لی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اسکی وجہہ کیا ہے کہ ہم دونوں آئے تو آپ نے کھلی ہوئی پنڈلی کیطرف کوئی توجہہ نہیں فرمائی اور لیٹے بھی رہے مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پنڈلی کو تہبند سے چھپا لیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ عثمان اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ دیکھکر خوش ہوتا ہے اور اسکے فرشتے ان کا ادب کرتے ہیں اور ان سے شرماتے ہیں۔ حضرت قلندر صاحبؒ اس واقعہ کو جب بیان کرتے تھے تو ان کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور حاضرین میں اہل سمجھ حضرات اس موقعہ پر ان کی ذات سے خاص روحانی استفادہ کر لیا کرتے تھے۔

مقالات الشعراء شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ نے حضرت قلندر صاحبؒ کی ایک غزل نقل کی ہے جو اپنی معنویت کے اعتبار سے آج بھی مشائخین حضرات اور صوفیائے کرام کے حلقوں میں مقبول و معروف ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

زعشقِ دوست ہر ساعت درون نار می رقصم　　گہی بر خاک می غلطم گہی بر خار می رقصم

بیالے مطرب مجلس سماع ذوق را در دہ　　کہ من از شادیٔ وصلش قلندر وار می رقصم

شدیم بدنام در عشقش بیا اے پارسا اکنون　　نمی ترسم ز رسوائی بہر بازار می رقصم

مرا خلقی ہمی گوید گدا چندین چہ می رقصم　　بدل داریم اسرارے از آن اسرار می رقصم

منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصو رم　　ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

اس غزل کے علاوہ اور بھی آپکی غزلیات کا ذکر ملتا ہے اور وہ حضرات صوفیاء میں مقبول بھی ہیں مگر میں اختصار کی غرض سے انکو چھوڑ رہا ہوں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ کی تمام تر شاعری عشق و محبت سے بھری ہوئی ہے اور ہر شعر اپنے اندر درد کی ایک داستان لئے ہوئے ہے۔

قلندر صاحبؒ کی وفات

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ جس وقت سیوستان یعنی سیوہن شریف میں تشریف لائے

Scanned with CamScanner

تو ان کی عمر کا بڑا حصہ گذر چکا تھا تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق نوے سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی تھی مگر اللہ نے آپکے اعضا میں بڑی قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ اس عمر میں بھی میلوں پیدل سفر فرماتے تھے اور دیہات میں جاکر اللہ کے دین کیلئے لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے تھے۔

آپ نے آٹھ سال کے قریب سیوستان میں قیام فرمایا اور یہاں اپنی قائم کردہ خانقاہ سے اسلام کا نور پورے سندھ اور دور دراز تک پھیلاتے رہے۔ آپکی ذات سے ہزاروں انسانوں نے ہدایت کا راستہ پایا۔ اور اپنے بگڑے ہوئے اخلاق و اعمال کو سنوارا۔ بھٹکے اور بہکے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونے لگے۔ آپ نے اس علاقہ میں پھیلی ہوئی جہالت اور بربریت کو بھی دور کیا۔ خاندانی رنجشوں کی بناء پر جو لوگ مدتوں سے لڑتے بھڑتے چلے آ رہے تھے ان کے دلوں کو رنجش و بغض و عداوت سے پاک کیا اور ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ غرض اس قلیل عرصہ میں آپ نے وہ کام کیا جو صدیوں میں کیا جاتا ہے۔ چونکہ قدرت اپنا کام لے چکی تھی اور آپ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس لئے آخری ایام زندگی میں آپ پر ایسی حالت طاری رہنے لگی کہ سوائے نماز اور دین کی باتوں کے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ اسی حالت میں آپ نے ۲۱ شعبان ۶۷۳ھ میں وفات فرمائی اور اسی حجرہ میں سپرد قبر کئے گئے۔ جو آپ نے اپنی عبادت اور رہائش کے لئے بنایا تھا۔

آخری کلمات

کہا جاتا ہے کہ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ بالکل ہوش میں آگئے تھے آپ نے خادموں سے فرمایا۔ مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ خادموں نے حکم کی تعمیل کی اور آپ بلا کسی سہارے کے بیٹھ گئے اور زبان مبارک سے فرمایا۔ کوئی میرا ساتھی نہیں ہے، میرا عمل میرا ساتھ کیا دیگا میرا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اب میرے رفیق اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے وہ تمام اصحاب ہیں جن کے لئے میرے آقا نے فرمایا ہے کہ میرے تمام صحابی عدل اور انصاف پر ہیں جو بھی ان میں سے کسی کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پائیگا اور خاص طور پر وہ چار اصحاب جو حضور کے بعد انکے جانشین ہے یعنی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان چار میں بھی وہ دو خاص ہیں جن کو بزرگوں نے شیخین کا لقب دیا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

Scanned with CamScanner

ان کلمات کے فرمانے کے بعد آپ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا۔ اے اللہ! میں تیرا گنہگار بندہ محمد عثمان تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ مجھے اپنی رحمت میں چھپالے تاکہ میں اس عذاب سے بچ جاؤں جو تو نے گنہگار بندوں کیلئے تیار کیا ہے۔ اے اللہ! میں نے اسلام کو تیرا پسندیدہ دین یقین کر کے اسے پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اے اللہ! اگر کوشش میں کوتاہی ہوگئی ہو تو معاف فرما دینا۔ اے میرے رب! میرا ہر قصور معاف فرما اور میری اس دعا کو قبول فرما۔ اے اللہ! اپنے دین کا بول بالا فرما اور اپنے دین کے راستہ پر چلنے والوں کو اپنا دوست بنا۔ اے اللہ! جو تیرے بندے تیرے سچے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کریں اور تیرے مقبول بندوں میں خلفاء راشدین کے نقش قدم کو سامنے رکھیں تو ان ہی کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں ان کو دنیا اور آخرت میں اپنا دوست بنانا اور ان کے درجات کو بلند فرمانا۔ اسکے بعد کہا جاتا ہے کہ آپکے ہاتھ بستر پر گر پڑے جسم سیدھا ہوگیا اور زبان کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے خاموش ہوگئی۔

مقبرہ کی تعمیر

حضرت لال شاہ باز رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ پہلی مرتبہ سیوستان کے حاکم ملک رکن الدین عرف بختیار الدین نے بڑی عقیدت سے تعمیر کرایا۔ یہ فیروز شاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ فیروز شاہ جلال الدین خلجی کا لقب تھا۔ یہ خاندان غلامان کی حکومت ختم ہونیکے بعد ہندوستان کے تخت پر بیٹھے تھے اور برسوں حکومت کرنیکے بعد ۱۲۹۵ء سنہ میں فوت ہوئے۔ یہ سلطان بڑے بہادر دلیر اور حوصلہ مند تھے باوجود بڑھاپے کے ان میں سلطانی کے جملہ جوہر پائے جاتے تھے۔ انہوں نے دکن پر کئی حملے کئے اور دیوگری کے راجہ کو شکست دی۔ جلال الدین خلجی عرف فیروز شاہ کے بعد انکے فرزند علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوئے اور بیس سال بڑی کامیابی سے حکومت کی۔ چتوڑ اور جیسلمیر کے قلعے بھی علاؤ الدین نے فتح کئے تھے۔ بختیار الدین سیوستان کے حاکم کو جلال الدین فیروز شاہ نے مقرر کیا تھا۔ یہ حاکم حضرت لال شاہ باز صاحبؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور سیوستان میں حکومت کرنے اور انتظام کرنے میں حضرت قلندر صاحبؒ کے ہر اشارہ کے منتظر رہتے تھے۔

دوسری مرتبہ تعمیر

سیوستان کے حاکم بختیار الدین کی تعمیر کے بعد دوسری مرتبہ مقبرہ کو سنہ ۹۹۴ھ میں ترخانی

خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ ترخان نے تعمیر کرایا تھا۔ اس تعمیر میں بھی جانی بیگ نے پوری عقیدت کا ثبوت دیا تھا اور پہلے کے نقشہ سے ہٹ کر توسیع و ترمیم کرائی تھی اور ہر لحاظ سے روضہ کی خوبصورتی کو قائم رکھا تھا۔ جانی بیگ نے تعمیر کے دوران خود بھی کئی مرتبہ کام کو ہوتے ہوئے دیکھا اور عقیدت مندانہ انداز میں وہ کام کی نگرانی کرتے رہے۔

تیسری مرتبہ تعمیر و ترمیم

تیسری مرتبہ سنہ ۱۰۰۹ھ میں لال شاہ باز صاحبؒ کا روضہ مرزا جانی بیگ ترخان کے فرزند مرزا غازی بیگ ترخان نے تعمیر کرایا۔ یہ کام انہوں نے جس زمانہ میں کیا اسوقت وہ صوبہ داری کے عہدہ پر مامور تھے۔ اس دفعہ بھی ترمیم و توسیع کے ساتھ روضہ میں مزید خوبصورتی پیدا کرنیکی کوشش کیگئی۔

مرزا جانی بیگ ولد مرزا پائندہ بیگ ولد مرزا محمد باقی ترخان سنہ ۹۲۳ھ میں ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوئے تھے۔ ترخانی حکمرانوں میں مرزا جانی بیگ نہایت ہوشمند اور مدبر فرمانروا تھے۔

سنہ ۹۹۹ھ میں سلطان جلال الدین اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خانخاناں نے سندھ پر حملہ کیا۔ ترخانی حکومت ختم ہوگئی اور سندھ کو اکبر کی مغلیہ حکومت کا ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ عبدالرحیم خانخانان ٹھٹھہ فتح کرنیکے بعد مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے۔ اکبر بادشاہ نے خانخانان کی سفارش پر مرزا جانی بیگ کو حکم دیا کہ وہ تھوڑے دن ہمارے ساتھ رہیں اسکے بعد اپنے ملک میں واپس جائیں اس حکم کے بعد مرزا جانی بیگ ۸ سال کے قریب اکبر بادشاہ کے ساتھ رہے۔ سنہ ۱۰۰۹ھ میں اکبر بادشاہ نے جسوقت قلعہ اسیر پر چڑھائی کی تو جانی بیگ اکبر بادشاہ کے ساتھ تھے۔ حاکم قلعہ بہادر خان نے پہلے مقابلہ کیا اور جب شکست کے آثار نظر آئے تو اکبر سے صلح کرلی۔ مرزا جانی بیگ نے اس صلح پر اپنی زبان سے کہا کہ بہادر خان بزدل ہے جو اتنا مضبوط قلعہ رکھتے ہوئے اکبر سے صلح کر رہا ہے اگر میرے پاس سندھ میں ایسا قلعہ ہوتا تو سو برس تک اکبر کی فوجوں کو ناک چنے چبواتا۔ جانی بیگ کی یہ بات اکبر کے کان تک گئی تو ان کو سخت غصہ آیا اور وہ سوچنے لگے کہ جانی بیگ کو اس گستاخی کی کیا سزا دینا چاہیئے مگر اکبر کے غصہ کا حال جانی بیگ کو بھی معلوم ہوگیا وہ بادشاہ کے عتاب سے بھاگنے کی فکر کرنے لگے مگر موت نے مہلت نہیں دی۔ بخار آیا پھر سرسام ہوا اور جانی بیگ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ انکی لاش ٹھٹھہ لائی گئی اور مکلی کے قبرستان میں سپرد قبر کیگئی۔

مرزا غازی بیگ جو مرزا جانی بیگ کے فرزند تھے ان کو اکبر بادشاہ کی طرف سے سنہ ۱۰۱۰ھ میں

سندھ کا گورنر بنایا گیا تھا اسوقت غازی بیگ کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی۔

ان کو حصول علم کا شوق تھا اور وہ ملا آخوند اسحاق بھکری کے شاگرد تھے۔ غازی بیگ بڑے مدبر اور باسمجھ حاکم تھے اور عالم و شاعر بھی تھے اور "وقاری" ان کا تخلص تھا۔ مرزا غازی بیگ کی درباری محفل ہمیشہ اہل علم سے بھری رہتی تھی اور بڑے بڑے اہل علم و ادب ان کے دربار کی زینت ہوا کرتے تھے۔ طالب آملی، ملا مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خواں اور میر نعمت واصلی جیسے نامور اور باکمال حضرات ان کے دربار میں مستقل بیٹھنے والے لوگوں میں سے تھے۔ غازی بیگ بڑے اچھے شاعر تھے اور پانچ ہزار سے زیادہ ان کے شعر فارسی میں موجود ہیں۔ اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت ہندوستان پر مسند نشین ہوئے تو وہ بھی مرزا غازی بیگ سے بہت محبت کرتے تھے چنانچہ جہانگیر نے مرزا صاحب کو منصب دوازدہ ہزاری پر فائز کیا اور سندھ کی گورنری کے ساتھ قندھار کی گورنری بھی ان کو عطا کردی۔ سنہ ۱۰۲۱ھ میں جبکہ مرزا غازی بیگ قندھار میں تھے اسوقت ان کے ایک غلام عبد اللطیف نے خسرو خاں کے بیٹے کے اشارہ پر مرزا غازی بیگ کو زہر دے کر ہلاک کردیا۔ قندھار سے ان کی لاش کو سندھ میں لایا گیا۔ اور مکلی کے قبرستان میں اپنے والد مرزا جانی بیگ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ان کا ایک شعر نمونہ کے طور پر آپ بھی پڑھ لیں ؎

بزم عشق است "وقاری" باادب باید بود — کہ دران جز بلب زخم تکلم کفر است

قصیدۂ فضائل و مراتب

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مراتب کو حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے ایک نظم میں قلمبند کیا ہے جس کے مطالعہ سے حضرت قلندر صاحب کے اخلاق و عادات اور آپ کے اوصاف و محامد پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اس نظم کو یہاں حوالہ کتاب کیا جا رہا ہے

شاہ باز نشیمن لاہوت — شاہ اورنگ خطۂ ملکوت
اہل دل عارف و معارف حق — صاحب وجد و تارک مطلق
شاہ عثمان شاہ باز لقب — اشرف الذات ہم شریف نسب
بحر عرفان کنوز دانائی — مہر ایقان چراغ بینائی
مست خمخانہ محبت شوق — بلبل گلستان عالم ذوق

صاحب حال و کامل ابدال، محرم خلوت حریم مثال
چند از روضۂ اش بہ سیوستان عطر افزا چو روضۂ رضوان
فیض افزائے گنبد پُر نور چو حبابے ز چشمۂ کافور
بلکہ خود باغبان صنع ازل چیدہ آورد از ریاض امل
گل صد برگ تازہ تر از جان گش نسازد زبون دست خزان
گنبدی نہ کہ روضۂ ز بہشت مشک با آب و طینتش بسرشت
خاک آن آستان قبلہ نشان سرمۂ بینیش عیون شہان
فیض فایض ز بام و در بارش نور رخشان ز چار دیوارش
شب چو اجرام دروی افروزان شمع و قندیل مشعلِ تابان،
زائران حریم حرمت او بر بسد فوج فوج از ہر سو
دہد از جود قلزم عمان سائلان را پر از گہر دامان
ہر کسے را بوقت خواہشِ دل گشتہ بے شبہ مدعا حاصل
ہر کہ با غم ہم آشیانہ بود خستۂ دشنۂ زمانہ بود
چون زا خلاصی می نہد قدمے اندر آن پاک محترم حرمے
باید از غم نجات فیروزی سود شش راحت و فرح روزی
آستانش کہ ہست خلد مثال ہست محیطِ قوافل ابرار
بردِ از خوان جود از کم و بیش ہر کسے در خود عقیدۂ خویش،
ہست دربار او چو قلزم ژرف ہر کسے راست بہرہ در خود ظرف
کس نگشت از نوال شان محروم برد ایستہ حصۂ مقسوم
تا قیامت بود چنین روشن شمع تابان او بوجہ حسن
نہ پذیرد ز صرصر دوران، انطفائے بہ ہیچ وقت او آن
فیض دربار او باستقلال ہمچنیں بود و ہم بود لا زال
دمبدم رحمتِ خداوندی باد بر روح شاہ مردندی

اخلاق و عادات

اسلام کی اشاعت میں سب سے زیادہ جس چیز نے کام کیا ہے اور اسکی وجہ سے اس

کی وجہ سے اس مقصد میں عظیم کامیابی ہوئی ہے وہ بزرگان دین کا اخلاق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے بلا امتیاز مذہب وملت حسن سلوک تھا۔ دنیا میں جہاں کہیں اسلام پھیلا اور اسکی جڑیں مضبوط ہوئیں وہ اللہ والوں کے حسن اخلاق ہی کا اثر تھا۔ خود مکہ معظمہ میں جہاں دنیا بھر کے معائب اور گناہ علانیہ کئے جاتے تھے اور مذہب کے معاملہ میں ان کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ تین سو ساٹھ بت کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور لوگ اللہ کو بھول کر ان کے پرستار بنے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ بت اور الگ اسکے عقائد اور اسکی رسمیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جسقدر کامیابی ہوئی وہ صرف ان کے اخلاق اور حسن سلوک کی وجہ سے ہوئی۔ ۱۳ برس مکہ میں توحید و نبوت کی تبلیغ فرماتے رہے اس عرصہ میں ایک دفعہ بھی آپ کو نہ کسی سے جنگ کرنا پڑی اور نہ بد اخلاقی کی نوبت آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تک صدہا اللہ کے بندوں نے دامن رسالت سے اپنے آپ کو وابستہ کیا مگر صرف آپ کے اخلاق اور آپ کی نرمی محبت اور اُنس وشفقت کی وجہ سے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ جو بات اخلاق و محبت سے منوائی جاتی ہے۔ وہ دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اور اثر مرتے دم تک زائل نہیں ہوتا۔ اسکے برخلاف طاقت کے استعمال سے جو چیز قبول کروائی جاتی ہے وہ خوف کی وجہ سے قبول تو کرلی جاتی ہے مگر جب تک طاقت کا خوف رہتا ہے وہ بات بھی باقی رہتی ہے اور جس وقت یہ خوف سامنے سے ہٹ جاتا ہے قبول کی ہوئی بات بھی بھلا دی جاتی ہے۔ اور انسان پھر برائی کے راستہ پر لگ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کریم میں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات میں اخلاق کی طرف انسانوں کو بلاتے ہیں اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقوت کو بٹھاتے ہیں اور اسطرح جو بات دل قبول کرتا ہے وہ کبھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے جہاں بھی اسلام کا پیغام سنایا ان کے سامنے اللہ کے رسول کا اسوۂ حسنہ رہا۔ اور وہ اسی پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے اور ہر جگہ کامیاب ہوتے رہے۔

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ قلندرانہ زندگی رکھتے تھے مگر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ان کی پوری زندگی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ

بنی ہوئی تھی۔ وہ جب بھی تبلیغ کی نیت سے اپنی خانقاہ سے باہر قدم نکالتے تھے تو پہلے دیر تک اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے تھے اس کے بعد کلمات تبلیغ زبان سے ادا فرماتے تھے۔

اسلام سے محبت، اسلام کی اشاعت اور اسلام کی حقانیت کو واضح کرنے کے لئے ان کا ہر قدم نقش قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چاروں خلفائے عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقش قدم پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی تبلیغ میں بڑے محبت بھرے انداز میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا ذکر فرماتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی با اخلاق اور پاکیزہ زندگی کے واقعات لوگوں کو سناتے تھے چنانچہ یہی ان کا وہ مخصوص اور پسندیدہ طریقہ تبلیغ تھا جس کی وجہ سے ان کو سیوستان میں عظیم کامیابی ہوئی۔ اور ہزاروں انسان گناہوں سے توبہ کر کے اس راستہ پر آگئے جو اللہ کا محبوب و مقبول راستہ ہے۔

حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ کا زیادہ وقت عبادت اور مجاہدے میں گذرتا تھا۔ تھوڑا وقت خانقاہ سے باہر تبلیغ اسلام میں صرف فرماتے تھے اور رات و دن کے مخصوص و مقررہ اوقات میں اپنی خانقاہ کے اندر جمع ہونے والوں کو دین و تصوف کی تعلیم سے مزین کرتے تھے۔ ذاتی خواہشات کا عالم یہ تھا کہ خادم نے وقت پر جو کچھ دسترخوان پر رکھ دیا وہ کھا لیا۔ ہمیشہ موٹا کپڑا اور معمولی غذا استعمال فرمائی۔ نہ کبھی پیٹ بھر کر کھایا اور نہ کبھی پوری نیند سوئے۔ کبھی کبھی بستی میں بھی تشریف لے جاتے راستہ میں ہر شخص سے بڑے اخلاق و محبت سے باتیں کرتے اور بچوں کے سروں پر ہنس ہنس کر ہاتھ پھراتے اور ان کو اپنے کرتے کی جیب سے نکال کر پیسے وغیرہ تقسیم کرتے تھے۔ کبھی بہت سا گڑ، چنے اور پھل وغیرہ لیکر نکلتے اور لوگوں کو اس کثرت سے تقسیم کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کہ اتنا سامان کہاں سے آجاتا ہے۔ بہت سے یتیم بچے اور بیوائیں ایسی تھیں کہ خانقاہ سے ان کے روزینے باندھے ہوئے تھے اور وہ آکر لے جاتے تھے۔

مسافروں کا ایک ہجوم رہتا تھا اور آپ ان سب کے کھانے پینے کی ضروریات کا خود انتظام فرمایا کرتے تھے۔ کوئی سائل آپ کی خدمت سے کبھی محروم نہیں گیا۔ بڑی بڑی مشکلیں لوگ لیکر آیا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ حضرت قلندر صاحبؒ کی دعا سے حل کر دیا کرتا تھا۔ آپ کی مادری زبان فارسی تھی، عربی بھی خوب بولتے تھے مگر سیوستان میں آئے تو مقامی زبان میں لوگوں سے اس طرح بات چیت فرمایا کرتے تھے کہ جیسے یہ آپ کی پیدائشی زبان ہو۔ خانقاہ

کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جہاں آپ لوگوں کو پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھاتے تھے۔ ہر نماز کے بعد حاجت مندوں کا ہجوم آپ کے گرد لگ جایا کرتا تھا۔ اور آپ ہر ایک سے اس کے دکھ درد کی داستان کو پوری توجہ سے سُنا کرتے تھے اور پھر اسے حل کرنے کیلئے تدابیر فرمایا کرتے تھے۔

چند کرامات

سیوستان کے چھ سات سالہ دوران قیام میں صدہا کرامات کا آپ سے ظہور ہوا اور سینکڑوں ایسے واقعات دیکھنے میں آئے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ کرامات کو چھُپاتے تھے اور اس بات کی کوشش فرماتے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق کسی ایسے خیال میں نہ پڑ جائیں جو ان کی توجہ مسجد، نماز اور اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر کسی بندے کی طرف ہو جائے مگر پھر بھی لوگ آپ کی کرامات سے متاثر ہو کر ہر آن آپ کو گھیرے رہتے تھے۔ پچھلے صفحات میں بہت سی کرامات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ چند ایک اور ملاحظہ کیجئے۔

پرندوں کی حاضری

حضرت قلندر صاحبؒ کے مہمانوں میں انسانوں کے علاوہ پرندے بھی ہوا کرتے تھے۔ خانقاہ سے متصل ایک ٹوٹی ہوئی دیوار پر ہزاروں پرندے صبح شام آ کر بیٹھ جاتے تھے اور اپنی اپنی بولیاں بولنا شروع کر دیتے تھے۔ حضرت قلندر صاحبؒ نے ان کے دانہ پانی کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ صبح شام جب آپ ان کو دانہ ڈالنے آتے تھے تو بہت سے پرندے دیوار سے اڑ کر آپ کے جسم پر بیٹھ جایا کرتے تھے اور آپ دانہ کو جب زمین پر ڈال دیتے تھے تو وہ سب دانہ کھانے میں مشغول ہو جاتے تھے زندگی کے آخری ایام تک آپ کا یہ معمول قائم رہا۔

نظر کا اثر

حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں جب کوئی آسیب زدہ پیش کیا جاتا تھا تو آپ اسکے قریب جا کر بلند آواز سے اسکا نام لیتے تھے اور پھر اپنی نظریں آسیب زدہ پر جما دیا کرتے تھے چند منٹ یہ حالت رہتی تھی کہ مریض بیہوش ہو کر گر جاتا تھا اور آپ مریض کے رشتہ داروں کو بکری کا دودھ پلانے کی تاکید فرما کر چلے جاتے تھے۔ مریض دودھ پینے کے بعد تندرست

ہو کر آپ کی خانقاہ سے واپس چلا جاتا تھا۔ ایسے ہزاروں مریض آپ کی توجہ اور نظر کے اثر سے درست ہوتے رہتے تھے۔ آج بھی آسیب زدہ مرد و عورت اور بچے آپ کے مزار پر جا کر چند روز کے قیام کے بعد تندرست ہو جاتے ہیں۔

قبر میں سانپ

یہ کرامت آپ کی عام طور پر بیان کی جاتی ہے اور اہل علم نے اپنی کتابوں میں بھی لکھی ہے کہ سیوستان میں ایک خاندان ایسا بھی تھا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کی شان میں کلمات ناشائستہ کہا کرتا تھا۔ خاندان کے چودھری کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر ماہ چاند کی تین تاریخ کو ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اپنی جماعت کے لوگوں کے سامنے خلفائے ثلاثہ جن کے نام اوپر بیان کئے ہیں ان کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ آپ نے جب سیوستان میں قدم رکھا تو لوگوں نے آپ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ تینوں بزرگ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فیصلہ فرمائے گا۔ چنانچہ آپ کے اس فرمانے کے ایک ماہ بعد اس چودھری کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو جب اس کے مرنے کی خبر ملی تو آپ نے اس کے خاندان کے لوگوں کو کہلوایا کہ تمہارے چودھری کی قبر میں سانپ بھرے ہیں اور قبر سے باہر نکل رہے ہیں چنانچہ خاندان کے بہت سے آدمی اپنے چودھری کی قبر پر گئے تو دیکھا کہ قلندر صاحبؒ کی بات صحیح ہے اور قبر میں سے سانپ نکل نکل کر زمین کے ایک سوراخ میں داخل ہو رہے ہیں سب لوگوں پر اس واقعہ سے بڑا اثر ہوا اور وہ بھاگے ہوئے حضرت قلندر صاحبؒ کی خدمت میں آئے اور توبہ کر کے آپ کے مرید صادق بن گئے اور خلفائے ثلاثہ کو برا کہنے سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گئے۔

خطبہ کی کرامت

حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ اُز صباز کی امامت فرمانے سے گریز کرتے تھے اور ہمیشہ علمائے کرام کو امامت کے لئے آگے بڑھاتے تھے مگر جمعہ کا خطبہ آپ کا بہت مشہور تھا اور دُور دراز سے لوگ جمعہ کے دن سیوستان میں خطبہ سننے کیلئے جمع ہوا کرتے تھے

اور آپ بھی لوگوں کے شوق کو دیکھ کر جمعہ کی امامت و خطابت خود فرمایا کرتے تے ... ے بیان
کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ہی خوش آواز بنایا تھا۔ آواز میں درد و
سوز عطا کیا تھا۔ خطبہ آپ عربی زبان میں سنت کے مطابق پڑھا کرتے تھے۔ اور
جب دوسرے خطبہ میں آپ درود شریف کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
اجمعین کے نام لیتے تھے تو ایک خاص طرح کی کیفیت سننے والوں پر طاری ہو جاتی تھی۔
اگرچہ خطبہ کے درمیان آواز بلند کرنا اور ... درست نہیں ہے۔ اور آپ
لوگوں کو منع بھی کیا کرتے تھے مگر پھر بھی خلفائے عظام کے ناموں کے وقت
لوگوں کی چیخیں نکلنے لگتی تھیں اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے تھے۔
یہاں تک کہ خطبہ ختم ہو جاتا تھا اور لوگوں پر بیہوشی کی سی حالت طاری رہتی
تھی۔

قلندر کے ذکر کا اثر

حضرت لال شاہ باز قلندر کو حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی سے دلی اُنس
تھا۔ جب آپ اپنی محفل میں ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے تو آنکھوں سے آنسو جاری
ہو جاتے تھے اور کبھی کبھی ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ایسی حالت پیدا ہو
جاتی تھی جیسے اب رقص کرنے لگیں گے۔ یہی حال اہل مجلس کا ہوتا تھا کہ ان کے
دلوں پر بھی ایک طرح کی مستی چھانے لگتی تھی اور پوری محفل جھومنے لگتی تھی۔
آپ فرماتے تھے کہ اگر کسی پریشانی اور مصیبت میں بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت
بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور
قبول فرمائے گا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بارہا مصائب و مشکلات میں ایسا عمل کیا
ہے اور کامیابی حاصل کی ہے۔ میرا یہ عمل کبھی خالی نہیں گیا ہے۔

سید میر کلاں کی عقیدت

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضر رہ کر جن بزرگوں
نے روحانی کمالات حاصل کئے ان میں حضرت سید میر کلاں کا ذکر تذکرہ نگاروں نے
خصوصیت سے کیا ہے۔ حضرت سید میر کلاں کو حضرت قلندر صاحبؒ سے بہت گہری

عقیدت تھی اور آپ کے ذنت کا زیادہ حصہ ان ہی کے مزار پر تلاوت و مراقبہ میں گزرتا تھا۔

حضرت سید میر کلاں خاندان سادات سے تھے۔ کوفہ سے ترک وطن کرکے دسویں صدی ہجری کے شروع میں قندھار آئے اور قندھار کے مشہور بزرگ حضرت میر شیر قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ کچھ مدت کے بعد حضرت میر شیر صاحب نے سیون جانے اور لال شاہ باز سے روحانی فیض حاصل کرنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ آپ شاہ بیگ ارغون کے سندھ فتح کرنے کے بعد قندھار سے سندھ آئے۔ اور سیوستان کے بالکل قریب ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ اور روزانہ صبح کو مزار لال شاہ باز پر حاضر ہو کر دن بھر عبادت و تلاوت و مراقبہ میں مصروف رہتے۔ رات کو عشاء کے بعد اپنے گھر پر جاتے تھے۔

جب تک حیات رہے اس معمول میں فرق نہیں آیا۔ بڑی بزرگ ہستی ہے اور سیوستان کے لوگوں نے آپ سے بڑا فیض حاصل کیا۔ تمام زندگی زہد و عبادت میں بسر فرمائی، یہاں تک کہ لوگ ان کی عبادت اور زہد کو دیکھکر کہتے تھے کہ اس زمانہ میں سید میر کلاں کے زہد کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

حضرت سید صاحب کو فقراء و مساکین سے بڑی محبت تھی۔ خاص طور پر ان کا خیال فرماتے تھے اور ان کو خوش رکھنے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا بڑا خیال رہتا تھا۔ جو بھی آپ کے پاس آتا تھا وہ محروم نہ جاتا تھا۔ آپ نے دسویں صدی ہجری کے آخر میں وفات فرمائی۔ مرزا شاہ حسن ارغون کے وہ ہم زمانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کثیر سے نوازا تھا۔ میر معصوم بھکری جو تاریخ معصومی کے مصنف ہیں آپ ہی کی اولاد میں تھے۔ سید صاحب کے حالات اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت میر شیر قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام سید محمد تھا۔ بچپن سے ان کو ریاضت اور عبادت کا شوق تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمہ وقت محو رہتے تھے۔ جیسے ہی شعور کو پہنچے مراتب و کمالات میں اضافہ ہوتا گیا اور فقر و تصوف کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ آپکو میر شیر قلندر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اپنی

صورت بدل کر شبیر کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے چنانچہ اسی وقت سے آپ کو میر شبیر قلندر کے نام سے لوگ منسوب کرنے لگے۔ آپ نے عاشورہ محرم کے روز ۹۲۳ھ میں وفات فرمائی آپ کا مزار موضع اسکلجہ میں واقع ہے جو قندھار سے مغرب کی جانب دس میل کے فاصلہ پر ہے۔

عرس شریف

حضرت لال شاہ باز صاحب قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا عرس سال میں ایک مرتبہ آپ کے مزار واقع سہون (سیون) شریف میں شعبان کی ۲۱ تاریخ کو ہوتا ہے۔ کئی دن یہ عرس رہتا ہے ۲۰ شعبان سے آخر شعبان تک قائم رہتا ہے ہزاروں عقیدت مند پنجاب، سرحد، بلوچستان، قلات، مکران اور سندھ و کراچی سے عرس میں شریک ہونے کے لئے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ اتنا بڑا اجتماع ہوتا ہے کہ حکومت کو خاص طور پر ریلیں اور بسیں چلانا پڑتی ہیں اور حاضرین کے آرام کے لئے ہر قسم کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ چھوٹی جگہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں آدمی خیمے لگا کر رہتے ہیں اور ایک طرح کا عظیم الشان میلہ بن جاتا ہے۔ بہت سے دوکاندار اور تجارت پیشہ لوگ اپنی دوکانیں لگاتے ہیں اور لاکھوں روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ایک ہفتہ تک سیون میں آدمی ہی آدمی نظر آتا ہے۔ لال شاہ باز کے قلندروں کی بڑی بڑی جماعتیں سیاہ لباس پہنے لمبے لمبے چمٹے ہاتھوں میں لئے ہوئے نعرہ قلندری بلند کرتی ہوئی ہر طرف نظر آتی ہیں۔ فجر کے بعد یہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ رات بھر قوالیوں کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور جگہ جگہ لوگ سماع کی محفل میں مصروف نظر آتے ہیں۔

مستو مست قلندر لال

حضرت لال شاہ باز قلندر صاحبؒ کے عرس کے حالات لکھتے ہوئے شیخ محمد سومرو صاحب نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حیدرآباد کے شمال مغرب میں کھیرتھر پہاڑیوں کے دامن میں واقع شہر سہون تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ سندھ

کے ایک بہت بڑے بزرگ صوفی لال شہباز قلندر۔ و قلندر رلعل مروندی) کی دائمی آرامگاہ ہے جن کا عرس ہر سال دھوم سے منایا جاتا ہے۔

پورے سال دور دراز کے شہروں، گاؤں اور دیہاتوں سے عقیدت مند آ کر قلندر شہباز کی درگاہ پر حاضری دیتے ہیں اور عرس کے موقع پر مریدوں کا ایک ہجوم ہوتا ہے جو یہاں آ کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

سہون ایک چھوٹا سا پُرسکون شہر ہے لیکن حضرت قلندر شہباز کے عرس میں نہ صرف یہاں بلکہ اس کے قرب و جوار میں بھی بڑی چہل پہل اور گھما گھمی ہو جاتی ہے۔ ہر طرف مُریدوں کا ایک جم غفیر نظر آتا ہے اور درگاہ کے آس پاس موسیقی سنائی دیتی ہے۔

حضرت قلندر شہباز کا اصلی نام سید عثمان مروندی تھا۔ آپ ۵۳۸ھ میں سیتان کے شہر مروند میں پیدا ہوئے آپ کے والد سید ابراہیم کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ حضرت قلندر شہباز نے بچپن ہی سے اپنی ذہانت کے جوہر دکھانا شروع کر دیئے اور سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور جلد ہی فارسی و عربی زبان پر عبور حاصل کر لیا۔ آپ فارسی کے ایک بڑے پایہ کے شاعر تھے اور آپ کے کلام میں تصوف کی گہرائی پائی جاتی ہے۔

حضرت قلندر شہباز کے والد سید ابراہیم شیخ جمال مجرد کے مُرید تھے ان کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ سید عثمان نے روحانیت کا بلند مرتبہ قلندری حاصل کیا۔

حضرت قلندر شہباز کو مختلف ناموں سے اور مختلف حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ مثلاً قلندر لال مروندی حضرت عثمان مروندی، لال شاہ باز وغیرہ ان میں سے ہر خطاب حضرت کے روحانی کمالات کا مظہر ہے۔

اسلام کے دوسرے مذہبی پیشواؤں کی طرح حضرت قلندر شہباز کی زندگی کا مقصد بھی اسلام کو دنیا کے طول و عرض میں پھیلانا تھا اور اس مقصد کیلئے آپ نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور اس سلسلے میں آپ بغداد اور بلوچستان کا سفر کرتے ہوئے سرزمین ہند میں وارد ہوئے کچھ عرصہ مکران میں قیام کیا۔ مکران کے بیشمار بلوچ آپ کی روحانی شخصیت سے متاثر ہو کر حلقہ مریدی میں شامل ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قلندر شہباز پہلے لاہوت لامکان پہنچے جو سبیلہ میں واقع ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جس کے ذریعہ سکندر اعظم کی فوج سندھ میں

داخل ہوئی تھی۔ سہون اور لاہوت لامکان دونوں شہر تاریخ کے مختلف ادوار میں بزرگوں اور روحانی پیشواؤں کے مسکن رہے ہیں اسی وجہ سے ان دونوں شہروں کے درمیان رابطہ رہا ہے۔ اور دونوں کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ انہیں شہروں سے تاجروں اور زائرین کے بڑے بڑے قافلے پسنی (PASNI) بندر جاتے ہیں اور وہاں سے بحیرہ عرب کے مختلف بندرگاہوں کو روانہ ہوتے تھے۔ اسی راستے سے حضرت عثمان مروندی بھی اپنے مشن پر سندھ پہنچے۔

سندھ کے لوگ حضرت عثمان مروندی کو قلندر لال کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ آپ اکثر و بیشتر سُرخ لباس پہنتے تھے اور چونکہ آپ روحانیت میں شاہین نظر تھے اس لئے آپ کا نام شہباز ہو گیا۔ آپ کی آنکھوں کی غیر معمولی چمک اور گہرائی سے آپ کی روحانیت عیاں تھی حضرت عثمان مروندی کو سیف للسان بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ مستقبل کے بارے میں جو فرماتے تھے وہ ضرور پورا ہوتا تھا۔

حضرت قلندر شہباز کی شاعری کا سرمایہ وسیع نہیں ہے لیکن آپ نے جو کچھ کہا ہے اس میں وہی صوفیانہ رنگ پایا جاتا ہے جو شاہ عبداللطیف اور اس برِاعظم کے دوسرے صوفی شاعروں کے کلام میں ہے۔

آپ کے اشعار بھی عشق حقیقی کے متفرق تجربات اور احساسات سے بھرپور ہیں۔ اور روحانی منزل وصال ہے یہی خیالات ولی دکنی، سچل سرمست اور شاہ عبداللطیف کی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔

سہون میں آتے ہی حضرت قلندر شہباز کو سخت آزمائشی دور سے گذرنا پڑا۔ یہاں بت پرستی کا دور دورہ تھا اور زندگی کے ہر شعبے میں بے راہ روی تھی لوگوں کی اخلاقی حالت بہت پست تھی۔ دولت مند تاجروں اور صاحب حیثیت لوگوں کی زندگی اور زیادہ آلودگی سے بھری تھی۔ ہر طرف عصمت فروشی کے اڈے قائم تھے۔ حضرت قلندر شہباز اس گندے ماحول کو جلد از جلد بدلنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہاں کے لوگوں کی اخلاقی حالت سدھر جائے۔

حضرت قلندر شہباز نے بڑے صبر و استقلال جرات مندی اور ہمت سے ان حالات کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے عبادت کے لئے ایک ایسی جگہ اپنا حجرہ بنایا جہاں عصمت فروشی کا اڈا تھا وہاں ان کی موجودگی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ بہت جلد لوگ ان کی روحانی طاقت سے

Scanned with CamScanner

متاثر ہونے لگے اور اسی طاقت کی بدولت عصمت فروشی خود بخود ختم ہو گئی۔

قلندری جو کہ روحانیت کا ایک بلند مرتبہ ہے اپنا اظہار جس طاقت سے کرتی ہے اس کو مستی کہتے ہیں یہی مستی وصال کا ذریعہ ہے حضرت لال قلندر کا وصال ۶۷۳ھ میں ہوا جبکہ وہ اسلام کی کافی خدمت انجام دے چکے تھے سہون کے حکمراں ملک بختیار الدین نے حضرت کے مزار پر خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا جس میں بعد میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہا ہے کچھ عرصے پہلے مقبرہ کے بیرونی دروازے پر ایک بڑا پنجرہ نصب تھا جس میں ایک پالتو چیتا زیارت کی غرض سے آنیوالوں کے خیر مقدم کیلئے تھا میں نے خود ۱۹۳۸ء میں اس چیتے کو دیکھا ہے۔ میں جب پہلی بار حضرت قلندر شہباز کے مزار پر حاضری دینے سہون پہنچا تو اس وقت مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جسے میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔ جب میں سہون پہنچا تو رات ہو چکی تھی چنانچہ میں سو گیا۔ سارا سہون محو خواب تھا صبح سویرے موذن کی اذان سے میں بیدار ہوا اذان کے ساتھ ہی میں نے ایک عجیب آواز سُنی جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے حیرانی کے عالم میں کھڑکی کھولی مگر مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ آواز مسلسل آرہی تھی۔ میرا تجسس بڑھا اور میں نے اپنی نظریں سڑک سے نہیں ہٹائیں، چند لمحات کے بعد میں نے دیکھا کہ سڑک پر بیشمار لوگ سیاہ لباس میں ملبوس جمع ہو رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک ہجوم ہو گیا۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بڑے بڑے آہنی چمٹے تھے جو ہوا میں لہرا رہے تھے۔ دراصل یہ تمام لوگ صبح سویرے حضرت قلندر شہباز کی درگاہ پر صبح کی حاضری دینے جا رہے تھے۔ میں ان لوگوں کے جذبات عقیدت مندی تو تاعمر نہیں بھول سکتا جس کا اظہار گیت کے ان الفاظ میں ہے؛

مستو مست قلندر لال مستو مست قلندر لال

چاندی کا دروازہ

سیوان میں درگاہ شریف کی عمارت بہت شاندار ہے اور اس کی تعمیر و تزئین میں مختلف شاہان و امرائے اسلام نے حصّہ لیا ہے بتایا جاتا ہے کہ حضرت کی وفات کے چھ سات سال بعد ۶۸۶ھ میں مزار مبارک پر سب سے پہلے سلطان فیروز شاہ تغلق نے گنبد تعمیر کرایا تھا اور خدام آستانہ کی کفالت کے لئے جاگیر نذر کی تھی بعد میں مختلف بادشاہوں

اور امیروں نے درگاہ شریف کے مختلف حصوں کی تزئین میں حصّہ لیا درگاہ کا عالیشان دروازہ سندھ کے حکمران غلام شاہ کلہوڑہ کے حُسن عقیدت کی یادگار ہے اس سے گذر کر ایک وسیع صحن میں داخل ہوتے ہیں جس کے بعد درگاہ شریف کا خاص دروازہ ہے۔ اور وہاں کثرت سے گھنٹیاں آویزاں ہیں مزار مبارک کا دروازہ چاندی کا ہے جسے سندھ کے ایک حکمران میر کرم علی تالپور نے پیش کیا تھا گنبد کے اندر کا ماحول بہت پر شکوہ پر عظمت ہے قریب ہی بعض تبرکات و آثار ہیں جو حضرت قلندر صاحبؒ سے منسوب کئے جاتے ہیں قیام پاکستان سے پیشتر یہاں ہندو اور سکھ بھی بھاری تعداد میں حاضر ہوتے تھے اور اب بھی عُرس میں قرب و جوار سے سینکڑوں ہندو شریک ہوتے ہیں اس طرح حضرت کا آستانہ محبت و خلوص کا ایک ایسا عظیم الشان مرکز ہے جہاں تعینات کے پردے اُٹھ جاتے ہیں من و تو کا امتیاز باقی نہیں رہتا اور عقائد کے کسی امتیاز کے بغیر سب ہی اللہ کے بندے اس بندۂ خاص کے آستانے پر نذر عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

شہبازی بزرگ

حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے جن بزرگوں نے شہرت حاصل کی ان میں حضرت شاہ جمال مجردؒ، حضرت سیّد علی قادریؒ، حضرت خواجہ حافیؒ حضرت شاہ سکندرؒ، حضرت شاہ خضر سیوستانیؒ اور حضرت میاں میر قادری لاہوریؒ، کے نام عام طور پر کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں دو بزرگوں کا ذکر زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ایک حضرت شاہ خضر سیوستانیؒ اور دوسرے حضرت میاں میر قادریؒ۔ باقی بزرگوں کے حالات بہت کم لکھے گئے ہیں اس لئے ان ہی دو بزرگوں کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ حضرت لال شاہ باز صاحب کے سلسلہ کی عظمت قارئین کے سامنے آسکے۔

حضرت شاہ خضر سیوستانیؒ

حضرت شاہ خضر سیوستانی رحمۃ اللہ علیہ سندھ میں حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ کے سلسلہ قادریہ کے بڑے نامور بزرگ گذرے ہیں۔ سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے میں آپ کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ آپ کی عظمت و بزرگی کا اندازہ اس بات سے

لگایا جا سکتا ہے کہ قادریہ سلسلہ کے مشہور بزرگ، حضرت میاں میر قادری رحمتہ اللہ علیہ آپ کے خلیفہ اور مرید تھے جن کی تعلیم نے نہ صرف سندھ بلکہ پنجاب اور پورے ہندو پاک میں سلسلہ قادریہ کی بنیادیں مضبوط کیں۔

حالات

حضرت شاہ خضر رحمتہ اللہ علیہ کا وطن سیوہن شریف میں تھا اور آپ حضرت لال شاہ باز کے سلسلہ کے نامور بزرگ تھے۔ توکل علی اللہ آپ کا خاص امتیاز تھا۔ زیادہ وقت ایک قبرستان میں گذارتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد سیوستان کے ایک پہاڑ میں قیام کر لیا اور تمام وقت عبادت و ریاضت اور مجاہدے میں گذرنے لگا۔ اس پہاڑ پر آپ نے ایک تنور بنوایا تھا مگر اس میں روٹی پکنے کی نوبت کبھی نہیں آئی بلکہ آپ اس تنور میں بیٹھکر عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک پتھر بھی اس پر ایسا تھا جس پر بیٹھکر آپ اکثر عبادت و نوافل پڑھا کرتے تھے۔ یہ پتھر کبھی گرم نہیں ہوا ہمیشہ ہر موسم میں ٹھنڈا رہتا تھا۔ آپ کے لباس میں ایک کرتہ ایک تہبند اور عمامہ ہوا کرتا تھا۔ پہاڑ پر رہنے کے بعد آپ بہت کم سیوہن میں آیا کرتے تھے۔ اور لوگوں سے الگ رہنے کی کوشش ہمیشہ جاری رہتی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ میرا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوست نہیں ہے۔ اکثر آپ کو درختوں کے پتے اور درختوں کی چھال کھاتے دیکھا گیا تھا کبھی کسی سے بھوک کی آپ نے شکایت نہیں کی۔

سیوہن کے حاکم کو جواب

شہزادہ دارا شکوہ اپنی کتاب سفینتہ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیوستان کے حاکم آپ کے پاس پہاڑ پر گئے۔ بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی اور آپ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف تھے حاکم صاحب نے دیکھا کہ دھوپ اور گرمی سخت ہو رہی تھی اور آپ کے اوپر کوئی سایہ نہیں ہے تو حاکم صاحب آپ کے قریب اس انداز سے کھڑے ہوئے کہ ان کا سایہ آپ پر پڑنے لگا۔ حاکم کا خیال تھا کہ کم از کم میرے سایہ ہی سے کچھ

راحت ملے گی۔

تھوڑی دیر میں آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور حاکم سے فرمایا۔ تم کون ہو؟ اور اس ویرانے میں کس لئے آئے ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے۔؟ حاکم نے جواب میں عرض کیا کہ میں آپ کے دیدار کا شرف حاصل کرنے آیا ہوں اور یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے کسی خدمت کا موقع دیجئے آپ جو حکم دینگے اور جس خدمت کو میرے متعلق فرمائیں گے۔ میں اس کی تعمیل کرونگا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو تم کر سکو۔ حاکم نے بڑی عاجزی سے عرض کیا کہ حضور میری یہ دلی تمنّا ہے کہ آپ مجھ سے کوئی خدمت لیں اور میں اس خدمت کو انجام دے سکوں۔ تو یہ بات میرے لئے باعث فخر ہو گی۔ آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اسے منظور کروگے۔ حاکم نے عرض کیا ضرور کرونگا۔ آپ حکم دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے اپنے جسم کا جو سایہ میرے اوپر ڈال رکھا ہے اسے ہٹا لو۔ کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سایہ میں زندگی گذارتے ہیں ان کو کسی دوسرے سایہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو فوراً اسی جگہ واپس چلے جاؤ۔ حاکم صاحب اس فرمان کو سُنکر جلدی سے دُور ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور اپنا سایہ آپ پر سے ہٹا لیا اور عرض کیا کہ حضور میں جا رہا ہوں مگر ایک درخواست ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ اپنے اللہ کی عبادت میں مصروف ہوں تو مجھ گنہگار کیلئے دعا فرمائیے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیکوکار بنائے۔ حضرت شاہ خضر رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت کیلئے زندہ نہ رکھے کہ جب میں اللہ کی ذات کے سوا کسی دوسرے کا خیال اپنے دل میں لاؤں اور اللہ کو چھوڑ کر تم کو یاد کروں

قطعہ تاریخ

حضرت شاہ خضر سیوستانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۹۴ھ میں وفات فرمائی۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے قطعہ تاریخ کہا:۔

خضر چون ان رہنمائے دو جہان || مقتدائے دین ولی و متقی

کردچون رحلت ازیں دار فنا سال وصل آن ولی جنتی
آفتاب عارفان حق بگو، نیر سالک متقی نور الولی
۹۹۴ ۹۹۴

میاں میر سیوستانیؒ

آپ کا نام میر محمد تھا اور میاں میر کے نام سے آپ نے شہرت حاصل کی۔ حضرت لال شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں یہ بزرگ بہت مشہور ہوئے۔ اور پاک و ہند میں قادریہ سلسلہ کو ان کی ذات سے بہت فروغ حاصل ہوا آپ بھی سیوستان (سیون) کے رہنے والے تھے۔ لیکن آپ آخر عمر میں لاہور چلے گئے تھے۔ آپ کے والد کا نام قاضی بسائیندان اور دادا کا نام قاضی قلندر تھا۔ شہزادہ داراشکوہ نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں آپ کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں۔

داراشکوہ

شہزادہ داراشکوہ شاہ جہاں کے سب سے بڑے فرزند تھے اور ۲۱ صفر سنہ ۱۰۲۴ھ میں ہفتہ کے دن ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں ساگرتال کے مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ ابوطالب کلیم کے اس مصرعہ سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

"گل اولین گلستان شاہی سنہ ۱۰۲۴ھ"

شہزادہ داراشکوہ بڑے بلند مرتبہ عالم تھے۔ تصوف سے گہرا لگاؤ اور حضرات اولیائے عظام و صوفیائے کرام سے ان کو عشق تھا۔ سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء ان کی بہت مشہور کتابیں ہیں۔ جن میں اولیاء اللہ اور تصوف کا ذکر کیا گیا ہے اور بھی چند کتابیں ہیں جو منظر عام پر نہیں آسکی ہیں۔ سکینۃ الاولیاء میاں میر اور ان کے مریدین کے حالات میں ہے۔ جو سنہ ۱۰۵۲ھ میں لکھی گئی اور سنہ ۱۹۲۰ھ میں اس کا اردو ترجمہ لاہور سے شائع ہوا۔ ۲۱ ذی الحجہ سنہ ۱۱۱۹ھ کو ان کے بھائی عالمگیر نے اپنے خاص آدمیوں سیف خان اور نظر بیگ کے ہاتھوں ان کو شہید کرادیا۔ ہمایوں کے مقبرہ میں وہ اسی لباس میں دفن کئے گئے جو جسم پر پہنے ہوئے تھے۔ مقبرہ کے اسی تہ خانہ میں شاہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد بھی دفن ہیں۔

تاریخ ولادت

حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد صاحب حضرت قاضی سائیندانہ اپنے علم وفضل اور تقویٰ وتقدس کے اعتبار سے پورے سندھ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور سیوستان میں تو آپ کے گرد علم وفضل حاصل کرنے والوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔

دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں میاں میر صاحب کی ولادت کے متعلق ان کے بھائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میاں صاحب ۹۳۸ھ میں بمقام سیون پیدا ہوئے مگر دارا شکوہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میں نے ایک محضر ایسا بھی دیکھا ہے جس میں آپ کی ولادت ۹۷۵ھ میں بتائی گئی ہے۔

تعلیم طریقت

حضرت میاں میر صاحب نے علوم اسلامیہ مختلف اُستادوں سے حاصل کئے اور جب علوم حاصل کرکے فارغ ہوئے تو اپنے والد صاحبؒ سے قادریہ سلسلہ میں طریقت کی تعلیم حاصل کی اور جب ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوگئے تو حضرت شیخ سید خضر سیوستانی سے بیعت کی اور تذکیہ نفس اور ریاضت میں مشغول رہے اور اسی راستہ میں ایسا کمال پیدا کیا کہ پیشوائے طریقت کے مرتبہ پر فائز ہوئے اور مشائخین وقت اور علمائے اسلام نے آپ کو قطب زمان کے لقب سے یاد کیا۔

مسند نشینی

حضرت میاں میر صاحب کے والد نے جب وفات پائی تو آپ ہی کی مسند پر رونق افروز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عنایت سے پورے سندھ اور پنجاب میں انہوں نے بڑی جلدی قادریہ سلسلہ کو اتنا آگے بڑھایا کہ پورے ہندوستان میں ان کے نام کی دھوم مچ گئی۔ جگہ جگہ سے رشد وہدایات کے چشمے پھوٹے اور مریدوں کی تربیت وتعلیم کے مراکز قائم ہوگئے۔ وحدت الوجود کا فلسفہ ان کی نظر کی

انتہا تھا اور شیخ ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور مولانا جامی کی شرح فصوص الحکم کے وہ حافظ تھے۔

شہرت سے دُور رہتے تھے۔ گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت ان کے محبوب مشاغل تھے۔ آخر زمانہ حیات میں سیہون سے باہر چلے گئے تھے اور پھر لاہور میں سکونت اختیار فرمائی مگر اس طرح برسوں کسی کو پتہ نہ چلا کہ لاہور میں ایک ایسا عظیم بزرگ بھی موجود ہے۔

دُنیا سے پردہ

حضرت میاں میر صاحبؒ نے لاہور میں پچاس سال سے زائد قیام فرمایا۔ جس میں چالیس سال تو گمنامی میں گزار دیئے صرف دس سال ایسے گذرے کہ آپ لاہور والوں کو اور پاک و ہند کے لوگوں کو فیض یاب کر سکے۔ آپ نے لمبی عمر پائی اور ربیع الاول کی سات تاریخ کو ۱۰۴۵ھ میں اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ صرف پانچ دن بیمار رہے اور چھٹے دن دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپ کا مزار ہاشم پورہ میں جو میاں میر کے نام سے مشہور ہے مرجع خاص و عام ہے۔

اورنگ زیب نے مزار بنایا

دارا شکوہ حضرت میاں میر صاحبؒ کے بہت عقیدت مند تھے انہوں نے مقبرہ کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا اور چاہتے تھے کہ شاندار مقبرہ تعمیر کریں مگر موت نے موقعہ نہیں آنے دیا۔ آخر بہت دن مزار کی تعمیر نہ ہو سکی اور جب کئی سال کے بعد اورنگ زیب ایک دن مزار پر حاضر ہوئے اور انہوں نے تعمیر کو نامکمل دیکھا تو مقبرہ تعمیر کرایا۔ دارا شکوہ کی بیوی جن کا نام نادرہ بیگم تھا ان کی قبر بھی حضرت میاں میر صاحبؒ کے مزار کے قریب بارہ دری میں ہے۔ دارا شکوہ جن کو حضرت میاں میر سے عشق تھا وہ ان کے قرب میں جگہ حاصل نہ کر سکے۔ اور اور ہمایوں کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

جہانگیر کا بیان

جہانگیر کو حضرت میاں میر سے بہت عقیدت تھی۔ وہ اپنی کتاب تزک جہانگیری میں حضرت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"مجھے معلوم ہوا کہ لاہور میں میاں میر نام کے ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں۔ نہایت متوکل اور گوشہ نشین ہیں۔ فقر کی دولت سے غنی ہیں۔ تو میرا دل ان سے ملنے کے لئے بے چین ہوا مگر میرے لئے بڑا مشکل تھا کہ میں لاہور جاؤں۔ اس لئے میں نے خط کے ذریعہ اپنی خواہش ملاقات کا اظہار کیا۔ حضرت صاحب باوجود کمزوری اور ضعف پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور مجھکو زیادہ دن تک ان کے ساتھ خلوت میں رہنے کا موقعہ ملا۔ بلاشبہ اس زمانے میں آپکا وجود بہت بڑی نعمت ہے بہت سے معارف وحقائق سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں۔ مگر آپ کی عظمت اور عالی مرتبت نے مجھے اس جرأت سے باز رکھا۔ آخر میں نے سفید ہرن کی کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت عالی میں پیش کی"۔

جہانگیر ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوئے تھے اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ میں ۲۳ سال ۸ ماہ پندرہ دن حکومت کرنے کے بعد دنیا سے گئے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر انسٹھ سال گیارہ ماہ اور بارہ روز کی تھی۔

شاہجہاں کی عقیدت

شاہجہاں بادشاہ کو بھی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ عقیدت تھی اور وہ دو مرتبہ آپ کی خدمت میں شرف نیاز کے لئے حاضر ہوئے۔ بادشاہ نامہ میں ان ملاقاتوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

" رہنمائے اصحاب معرفت وتقی، قدوۂ حق شناساں صافی ضمیر حضرت میاں میر کہ جن کی تشریف آوری سے پہلے بھی یہ گھر مہبط انوار بن چکا ہے

دوبارہ تشریف لائے اور بادشاہ کی درخواست پر آپ نے بہت سے حقائق و معارف بیان فرمائے جو انشراح صدر اور انبساط قلب کا باعث ہوئے"۔

شاہجہان پر آپ کی بزرگی کا اتنا گہرا اثر تھا کہ وہ سب کو بھول کر صرف آپ ہی کے ہو گئے تھے۔ کتاب عمل صالح میں بادشاہ کے حالات میں بیان کیا گیا ہے کہ :۔

"حضرت شاہجہان بادشاہ حقائق آگاہ اس مقتدائے صاحب عرفان میاں میر کی صحبت کے اس درجہ شیدا اور عاشق تھے کہ اس سے زیادہ عقیدت اور محبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے چنانچہ بارہا آپ کے محمود اطوار اور پاکیزہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس سرزمین کے مشائخ میں میں نے حضرت میاں میر جیسا کامل نہیں پایا اور ان کے بعد شیخ المشائخ شیخ فضل اللہ ہیں"۔

شاہجہان ۸ رجمادی الثانی ۱۰۳۷ھ میں بادشاہ ہوئے اور اکتیس سال کے قریب انہوں نے بادشاہت کی اور ذیقعدہ کی پہلی تاریخ کو ۱۰۶۸ھ میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کو روانہ ہوئے۔

کرامت سے صحت

شہزادہ دارا شکوہ جن کا ذکر آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ "جب میں بیس سال کا تھا تو سخت بیمار ہو گیا۔ بیماری اتنی مایوس کن تھی کہ طبیب بھی مایوس ہو چکے تھے اور جواب دے چکے تھے۔ آخر ایک دن میرے والد مجھے لیکر حضرت میاں میر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا لڑکا اتنا بیمار ہو چکا ہے کہ حکیموں نے بھی جواب دے دیا ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ کی دعا سے شفا حاصل ہو گی۔ حضرت میاں میر صاحبؒ نے میری طرف دیکھا اور پانی پر دم کر کے مجھے پلا دیا۔ میں اس پانی کے پینے سے ایک ہفتہ کے بعد بالکل اچھا ہو گیا"۔ مگر دارا شکوہ نے جس وقت حضرت سے بیعت ہونے کا ارادہ کیا۔ اسوقت وہ وفات فرما گئے۔ اس لئے انہوں نے ان کے نامور خلیفہ مُلّا بدخشی سے بیعت حاصل کی :۔

مُلّا بدخشی کون تھے

مُلّا بدخشی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بہت بڑی شہرت والے

بزرگ تھے۔ بدخشاں میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰۴۳ھ میں لاہور آئے اور میاں میر صاحبؒ کے مرید ہو گئے اور تیس سال اپنے پیر صاحب کی خدمت میں رہ کر بلند مقام حاصل کیا۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے کشمیر کو پسند کر لیا تھا مگر ہمیشہ جاڑوں کے موسم میں وہ لاہور آتے اور کئی ماہ مرشد کی خدمت میں رہتے تھے۔ دارا شکوہ اور جہاں آرا، نے ان کے لئے ایک پہاڑ کے دامن میں خانقاہ تعمیر کرا دی تھی۔ دارا شکوہ ملا بدخشیؒ صاحبؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

"مجھے لوگوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ملا بدخشی متواتر سات سال تک عشاء کی نماز کے بعد صبح کی نماز تک حبس نفس کرتے تھے اور اس میں ذکر خفی کرتے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تیس سال تک ایک لمحہ کے لئے نہیں سوئے۔"

کشمیر میں ملا صاحب کو بہت بڑی شہرت حاصل تھی اور بڑے چھوٹے مسلم اور غیر مسلم سب آپ سے متاثر تھے۔ تصوف میں ان کا مسلک صرف وحدت الوجود تھا۔ یہ رنگ ولی رام کا نسٹھ امیر دور مغلیہ پر بھی غالب تھا وہ آپ سے بیعت ہوا اور اپنی شاعری میں وحدت الوجود کے سلسلہ میں اچھے اچھے اشعار کہے۔ ولی رام کی شاعری اور ان کے اشعار کا ذکر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ چند شعر یہاں درج کئے جا رہے ہیں

مظہر جلوۂ صفات

ماننہ آئینِ خودیم، آئینِ تو ایم	بے نشانِ تو، ما نشانِ تو ایم
این نشانہا، نشانِ ذاتِ تو اند	مظہر جلوۂ صفاتِ تو اند،
پاکی از فکر واز قیاسِ ما	اے تو پیدا درین لباسِ ما
مظہر ذاتِ تو ہمہ اشیاء	بے تو ما توئی وخود تو وما
ذاتِ تو در صفاتِ تو پیدا	صفت عین ذات اے مولیٰ
ما ہمہ موجِ بحرِ ذاتِ تو ایم	مظہر مجمل صفاتِ تو ایم،

ملا بدخشی پر غلبہ حال

دارا شکوہ نے ملا بدخشی کی شاعری کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے

کلام کا ایک مجموعہ مرتب ہو چکا تھا۔ اور ان کی بعض غزلیات یا اشعار بھی تحریر کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کبھی کبھی غلبۂ حال کی وجہ سے ایسے اشعار بھی کہہ جاتے تھے جو شریعت کے خلاف ہوتے تھے اور ان پر سخت اعتراض کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ تو وہ ایسا کہہ گئے کہ علماء نے قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ شاہجہاں نے ظفر خان گورنر کشمیر کو لکھا کہ ملا بدخشی کو سزا دی جائے۔ مگر دارا شکوہ نے کہا "کہ جلدی نہیں کرنا چاہیئے۔ میاں میر صاحبؒ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ چنانچہ شاہجہاں نے حضرت میاں میر سے معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ وہ غلبۂ حال میں کچھ سے کچھ کہہ جاتے ہیں جو مناسب نہیں ہے لیکن اس وجہ سے قتل کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ شاہ جہاں خاموش ہو گئے۔

کچھ عرصہ گذرنے کے بعد شاہجہاں بادشاہ کشمیر آئے تو انہوں نے حضرت مُلّا بدخشی سے بھی ملاقات کی اور بہت سے صوفیانہ مسائل پر ان سے شاہجہاں نے تبادلۂ خیال کیا۔ چنانچہ بادشاہ نامہ کے مؤلف شیخ عبدالحمید بادشاہ نامہ میں اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"یکم جمادی الثانی ۱۰۵۰ھ کو مُلّا شاہ بدخشی جو کہ میاں میر قادری کے خلیفہ ہیں اور کشمیر میں گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ بادشاہ درویش نواز شاہ جہاں کی طلب پر تشریف لائے اور اس ملاقات میں بہت سے بلند نکات کے متعلق گفتگو ہوئی اور بادشاہ نے ان کو نہایت عزت کے ساتھ خوش ہو کر رخصت کیا۔"

حضرت ملا بدخشی دارا شکوہ سے بہت خوش تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ذات سے سلسلہ قادریہ کو بہت ترقی ملے گی۔

اورنگ زیب کی حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت ملا بدخشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کچھ آوازیں اٹھنے لگیں اور علماء سے منتوران کے اشعار سے لوگوں کو اختلاف پیدا ہو گیا۔ اورنگ زیب نے گورنر کشمیر کو حکم بھیجا کہ ملا صاحبؒ کو فوراً بھیجا جائے مگر گورنر نے جواب میں لکھا کہ ملا صاحب بیمار ہیں اور آنے سے معذور ہیں۔

چند روز کے بعد اورنگ زیب کی ناراضگی ختم ہو گئی اور عوام بھی ان کے اشعار کے

رمز کو سمجھ گئے تو اورنگ زیب نے حکم بھیجا کہ ملا صاحبؒ کشمیر کے بجائے اگر لاہور میں قیام رکھیں تو مجھے زیادہ خوشی ہوگی چنانچہ ملا صاحب لاہور تشریف لے آئے مگر زیادہ تر گوشہ نشین رہے اور ایک سال کے بعد چند روز بیمار رہ کر ۵ صفر ۱۰۷۲ھ میں دنیا سے سفر فرما گئے اور اپنے مرشد حضرت میاں میر کے احاطہ میں دائمی آرام کے لئے سُلائے گئے۔

قطعہ تاریخ وفات

حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں متعدد عقیدت مند شعراء نے قطعات تاریخ وفات کہے تھے مگر ہم صرف ان کے ایک مرید حضرت ملا فتح اللہ صاحب کے قطعہ تاریخ کو درج کر رہے ہیں۔ یہی وہ تاریخ وفات ہے جو میاں میر صاحبؒ کے گنبد کے دروازہ پر کندہ ہے۔ ویسے تو مفتی غلام سرور لاہوری کے بھی قطعات تاریخ ہیں۔ جن میں ان کی ولادت اور وفات دونوں کی تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔

تاریخ دروازہ گُنبد

میاں میر سیر دفتر عارفان	کہ خاکِ درش رشک اکسیر شد
سفر جانبِ شہر جاوید کرد	ازیں محنت آباد دل گیر شد
خرد بہرِ سالِ وفاتش نوشت	بفردوس والا میاں میر شد ۱۰۴۵

سندھ کے اولیاء اللہ

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں آسمان کے نیچے وہ کونسی زمین ہے جہاں اللہ کے نیک بندوں کے قدم نہیں پہنچے اور انہوں نے اپنی اسلام دوستی کی خاطر لاکھوں مصائب برداشت کرتے ہوئے بھی اسلام کا نام اور اسکا علم بلند کیا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین پر چلانے اور اسکے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرانے کی کوشش جاری رکھیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اسلام کو روشناس کرانے میں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد سب سے زیادہ جن حضرات نے جدوجہد کی اور دور دراز کے علاقوں میں پہنچکر تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیئے وہ حضرات اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام ہیں۔

اسلامی تاریخی کا یہی وہ متین وحسین گوشہ ہے جہاں آپ کو اللہ تعالٰی کے محبوب بندے اولیاء اللہ اور فقرائے اسلام انتہائی خاموشی، اخلاق اور سنجیدگی سے اسلام کی اشاعت میں مصروف نظر آئیں گے، ان کے ہاتھ تلواروں سے خالی ہونگے۔ ان کے جسم پر نہ فوجی وردی ہوگی اور نہ ان کے ساتھ سواریوں کے لئے گھوڑے ہونگے۔ تباہی، بربادی، لوٹ مار، مسکین لوگوں کو ڈرانے دھمکانے سے ان کو نفرت ہوگی۔ معمولی لباس، ایک مسکین سا خادم، نماز کا مصلیٰ اور پانی کا برتن یہ ان کا سرمایہ ہوگا۔ یہ بات کھلی ہوئی ہے اور اسکے ماننے سے کسی بھی عقلمند کو انکار کی جرأت نہیں ہوسکتی ہے کہ قوت وطاقت کے ذریعہ انسانوں کو جس راستہ پر لگایا جاتا ہے وہ اس راستہ پر اسی وقت تک گامزن نظر آتے ہیں جب تک انکو اپنے سروں پر تلوار اور طاقت مسلط نظر آتی رہتی ہے اور جب وہ اس خطرہ سے باہر ہوجاتے ہیں ان کا راستہ بدل جاتا ہے اور پھر اسی پُرانے ڈگر پر چلنا شروع کر دیتے ہیں۔

خلافت راشدہ کے ختم ہونیکے بعد جب حکومت کے کار بار بنی امیہ کے ہاتھ میں پہنچے تو سب سے بڑا حادثہ یہ پیش آیا کہ مذہب وسیاست دو الگ الگ راستے ہوگئے اور جو حضرات مذہب وسیاست کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے اور وہ اسکے سوا کسی دوسرے راستہ کو پسند ہی نہیں کرتے تھے، پہلے تو انہوں نے کوشش کی کہ مذہب سے سیاست الگ نہ ہونے پائے اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس کوشش میں تصادم کی نوبت بھی آسکتی ہے تو انہوں نے کنارہ کشی اختیار کرلی اور صرف مذہب کی تبلیغ ہی کو اپنا سب سے بڑا فریضہ بنالیا۔ اس تبلیغ کے سلسلہ میں انہوں نے وعظ و تقریر کے علاوہ زیادہ زور جس چیز پر دیا وہ تذکیہ نفس کا طریقہ تھا جسے آگے چل کر تصوف کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے استعفٰی کے بعد جن بزرگوں نے تذکیہ نفس کا بازار گرم کیا اور بیشمار اللہ کے بندوں کو مذہب کے گرد جمع کردیا، ان میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت مالک بن دینارؒ

حضرت فضیل ابن عیاض، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں
باوجود سیاست سے کنارہ کشی کے یہ اہل اللہ کچھ موقعوں پر خاموش نہیں رہ سکتے اور
ایسے مواقع اکثر آئے کہ انہوں نے حکام و امراء کو ٹوکا اور دین کے ہوتے ہوئے من
مانی کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی اور بعض کو اس سلسلہ میں حکام کے عتاب
کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس دور کو تصوف کا پہلا دور کہا گیا ہے جو ۶۶۱ء سے شروع
ہوا اور ۸۵۰ء تک چلا۔ اس کے بعد دوسرا دور آیا۔

اس پہلے دور کے صوفیاء میں حضرت حاجی ترابی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں جن کی
ذات سے سندھ میں اسلام کو تقویت پہنچی اور جو ۱۷۱ھ میں اس دنیا سے تشریف لے
گئے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ سے دس میل کے فاصلہ پر موضع کچھ اور کوری کے درمیان واقع
ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ اصحابی ٹھٹھہ رح

سندھ کو باب الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں اسلام
نے ابتدائی ایام میں قدم رکھا اور سندھ پورے ہندو پاک میں اسلام کی اشاعت کے
لئے اسلام کا دروازہ ثابت ہوا۔

پہلی صدی ہجری کے وسط میں بکثرت اس علاقہ میں مسلمانوں کے آنے کی شہادتیں
ملتی ہیں۔ صدہا اللہ کے بندوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اس زمین پر اسلام کو پھیلانے
کیلئے تشریف لائے اور بیشمار اللہ کے بندوں کو ہدایت کے راستہ پر ان کی کوششوں سے
چلنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان ہی بزرگوں میں حضرت سید عبداللہ شاہ صحابی رحمۃ اللہ
علیہ بھی شامل ہیں اور لاکھوں مسلمانوں کی عقیدتیں ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔

نام و لقب

حضرت عبداللہ شاہ صحابیؒ کا نام عبداللہ تھا مگر آج آپ کو سید شاہ عبداللہ
اصحابی حسنی رحمۃ اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اصحابی یا صحابی کا لفظ آپ کے
نام کے ساتھ لگانے کی کسی نے کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے۔ زبانی کچھ باتیں مشہور
ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

اصحابی کیوں کہتے ہیں

بعض لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ آپکو اصحابی اس لیئے کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ رات کو محفل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں روحانی طور پر حاضری دیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کے صحابی تھے اور ان کی مجلس میں روزانہ رات کو روحانی طور پر شریک و شامل ہوا کرتے تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ گجرات کے مشہور ولی اللہ حضرت شاہ حافظ اللہ صاحب رح کو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ نے عالم خواب میں مطلع کیا تھا کہ ٹھٹھہ میں جاکر فلاں جگہ عبداللہ شاہ کی قبر کو تعمیر کرو کیونکہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں اکثر و بیشتر مجھے نظر آتے ہیں چنانچہ اس دن سے آپ کے نام کے ساتھ صحابی کا لقب لگنے لگا۔

خاندان ونسب

حضرت عبداللہ شاہ صحابی خاندانی اعتبار سے سید تھے اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے اس طرح آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ٹھٹھہ میں آمد

حضرت عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ جب ٹھٹھہ میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ میں آپ کے تین مرید تھے۔ سید منبتہ رح، سید کمال رح اور سید قاضی شکر اللہ۔ آپ گجرات سے ٹھٹھہ میں آئے تھے اور پھر تمام زندگی اسی جگہ مصروف عبادت اور مصروف تبلیغ رہے۔ آپ نے ٹھٹھہ میں جس جگہ کو اپنے قیام کیلئے پسند کیا تھا اس جگہ کو مکلی کہتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا قبرستان ہے جہاں عام روایت کے مطابق سوا لاکھ اللہ کے نیک بندے آرام فرما رہے ہیں۔ سید منبتہ رح اور سید کمال بھی نامور ولی اللہ ہوئے ہیں۔ دونوں حضرات کا مزار بھی مکلی میں ہے اور وہ بھی حضرت غوث پاک کی اولاد سے تھے۔

قاضی شکر اللہ صاحب رح شیراز کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے عالم اور بزرگ

تھے۔ سندھ کے مشہور مورخ میر علی شیر قانع ٹھٹھوی جو مقالات الشعراء اور تحفۃ الکرام کے مصنف ہیں آپ کی .... اولاد سے تھے۔ قاضی صاحب ٹھٹھہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کا مزار مکلی میں شیخ اسحاق پونہ کے مزار کے قریب ہے۔ مرزا شاہ بیگ کی حکومت کا زمانہ ۹۲۴ھ سے ۹۲۸ھ تک ہے۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ ان ہی مرزا شاہ بیگ کی حکومت کے آخری سال میں گجرات سے ٹھٹھہ وارد ہوئے تھے۔

عبادت و ریاضت

حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی مطیع اور فرمانبردار پیدا کیا تھا۔ بہت چھوٹی عمر ہی سے عبادت کا ذوق تھا اور زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذرتا تھا۔ یہ شوق عبادت اتنا زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ آپ نے شادی بھی نہیں کی اس خیال سے کہ ازدواجی زندگی کے فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہنے کی وجہ سے عبادت نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ زندگی کے طویل ترین ایام عام تجرد میں گذار دیئے اور اکثر وقت لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر گوشہ نشینی میں ہی اپنے لئے سب سے بڑی عافیت دیکھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپکے حالات زندگی پر بہت بڑی حد تک پردہ پڑا ہوا ہے اور باوجود تلاش بسیار کے آپ کے حالات مختصر ہی ملتے ہیں۔

وفات شریف

حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کی کمیابی کی اس سے زیادہ کیا اور صورت ہو سکتی ہے کہ آپکے تاریخ وفات کے متعلق بھی تذکرہ نگار نہیں معلوم کر سکے ہیں کہ آپ نے کب وفات فرمائی اور کب اور کس سن میں اس دنیا کو خیرباد کہا۔ بس اتنی سی گول مول بات بیان کی گئی ہے کہ جب عمر شریف پوری ہو گئی تو آپ اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے اور آپکو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ مدتوں سے عبادت الہٰی میں مصروف تھے

قدیم کتبہ مسجد

اس وقت حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کے مزار شریف کے قریب جو بہت پرانی اور

قدیم مسجد ہے اس پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس میں ایک ہزار ترانوے ہجری کی تاریخ لکھی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ قطعہ تاریخ بھی موجود ہے ؎

زہے فیض مسجد کہ از یک دعا | شود حاجت مستمندان روا
بتاریخ ہفت دہم ماہ صفر | ختم بالخیر والظفر ۱۰۹۳

اس کتبہ کو دیکھ کر خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۰۹۳ھ کے لگ بھگ آپ نے وفات فرمائی ہوگی۔

کرامت غوثیہ

تحفتہ الکرام میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کو وفات فرمائے ایک مدت گذر چکی تھی یہاں تک کہ مزار کا نشان بھی معدوم ہوگیا تھا چنانچہ اس زمانہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ حافظ اللہ صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ وہ ٹھٹھہ جائیں اور حضرت عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو برآمد کریں چنانچہ حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ اپنے دو خلفاء شیخ محمد یعقوب صاحبؒ اور خلیفہ ابوالبرکات صاحبؒ کو ساتھ لیکر ٹھٹھہ آئے اور ٹھٹھہ میں آپ نے حضرت سید علی ثانی شیرازی سے اپنے خواب کا حال بیان کیا اور کہا کہ میں حضرت غوث پاکؒ کے حکم کی تعمیل کے لئے آیا ہوں اور آپ سے اس سلسلہ میں امداد چاہتا ہوں۔ حضرت سید علی ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنتے ہی مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے اس وقت سید عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک محفل میں رونق افروز دیکھا ہے اور وہ اس محفل کے صدر تھے۔ اس کے بعد آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور مکلی کے قدیم قبرستان میں تشریف لے گئے اور اپنے ہمراہی سب بزرگوں کے ساتھ مل کر مزار مبارک سید عبداللہ شاہ صاحب اصحابیؒ کو تلاش کیا اور پھر سب نے اسکی مرمت فرمائی۔

بیان کیا گیا ہے کہ مزار کی تعمیر کرتے وقت شیخ محمد یعقوبؒ اور حضرت خلیفہ ابوالبرکات صاحب پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت سید علی شیرازی صاحبؒ ان پتھروں کو اٹھا کر دیوار بناتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مزار کی چہار دیواری مکمل ہو گئی۔ اسکے ساتھ ہی گارا بنانے کا کام حضرت شاہ حافظ اللہ صاحبؒ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ انجام دے رہے تھے۔

حضرت شیخ محمد یعقوب صاحبؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ تھے اور سندھ میں آپکی ذات سے بہت لوگوں کو فیض پہنچا اور فیض کا سلسلہ جاری ہوا۔ آپکے مُریدوں میں شیخ عثمان بقاولی، درس محمد امین اور درس اللہ بہت مشہور ہوئے۔ شیخ محمد یعقوب صاحب کا مزار مقبرہ شاہ عبداللہ میں انکے بائیں جانب واقع ہے۔

خلیفہ ابوالبرکات صاحبؒ حضرت شاہ حافظ اللہ صاحب گجراتی کے مرید تھے اور بڑے صاحب نسبت اور باکرامت بزرگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔

ان حضرات کا مفصل تذکرہ تحفتہ الکرام اور تحفتہ الطاہرین میں کیا گیا ہے۔

جدید تعمیر مزار

حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کی تعمیر کے سلسلہ میں کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ پہلی تعمیر کے بعد اس مزار کو پھر کس کس زمانہ میں اور کس کس نے تعمیر کیا۔ البتہ ۱۳۵۰ھ میں مزار کی جدید تعمیر بڑے اچھے اور خوبصورت انداز میں کی گئی اور وہی تعمیر آج موجود ہے جو پورے مکلی کے قبرستان میں اپنی جدت اور وضع کے اعتبار سے نمایاں نظر آتی ہے اسکے علاوہ مکلی میں یہی وہ مقبرہ ہے جس پر عوام و خواص کا ہجوم رہتا ہے اور عقیدت مند پورے پاکستان سے یہاں حاضر آتے رہتے ہیں۔

عقیدتمندوں کا اجتماع

حضرت عبداللہ شاہ اصحابی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے بیشمار اللہ کے بندوں کو آپکی ذات سے فیض پہنچا۔ یہ سلسلہ آپ کی حیات میں بھی قائم تھا اور آج بھی قائم ہے۔ سالانہ عُرس کے علاوہ بھی ہمیشہ مزار پر فیض حاصل کرنے والوں کا ہجوم لگا رہتا ہے لیکن جمعرات اور خصوصًا نوچندی جمعرات کو بہت بڑا اجتماع ہوتا ہے ہزاروں بیمار اور پریشان حال انسان آپ کے مزار پر نظر آتے ہیں جو دور دراز علاقوں سے اپنی اُمیدیں لیکر حاضر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کامیاب و بامراد واپس جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

وہ مریض جو آسیب وغیرہ کی زد میں ہوتے ہیں اور جن کو کہیں سے فیض نہیں ملتا ہے وہ آپ کے یہاں سے مایوس نہیں جاتے ہیں۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا ہے جبکہ اس قسم کے مریضوں میں عورتیں، جوان اور بچوں کا وہاں ہجوم نظر نہ آئے۔

اگرچہ تذکروں میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کا ذکر بڑے اختصار سے کیا گیا ہے اور اسکی وجہ سے اولیائے پاکستان میں اِنکا تذکرہ کسی حد تک کم ہی آتا ہے مگر عوام اہل اسلام میں ان کی ذات بڑی مقبول و مشہور ہے اور بہت سی عجیب و غریب کرامات کا ان سے ظہور بیان کیا جاتا ہے۔ ان کے مزار پر جانے سے مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ان کی ذات مرکز فیض ہے۔

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام

آپکا اسم گرامی آدم لقب مخدوم آدو ہے، آپؒ کے والد محترم کا اسم گرامی عبدالاحد ہے۔ حضرت مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپؒ کے اجداد میں دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا نام عبدالباری تھا اور چھوٹے بھائی کا نام عبدالخالق، بڑے بھائی عبدالباری ۴۱۷ھ میں ٹھٹھہ سے جاکر "کچھ" میں آباد ہو گئے اور چھوٹے بھائی عبدالخالق ٹھٹھہ میں رہے، سلطان محمود غزنوی نے جب سندھ پر قابض ہوا تو عبدالخالق کے علم و فضل و زہد و ورع سے متاثر ہو کر ان کو شاہی اعزازات سے نوازا انہیں کی اولاد سے مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت مخدوم آدمؒ کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالخالق تک یہ ہے۔

نسب

مخدوم آدم بن مخدوم عبدالاحد بن عبدالرحمٰن بن عبدالباقی بن محمد بن احمد بن آدم بن عبدالہادی بن محسن بن علی بن محمد بن عبدالخالق۔

سندھ کے سلسلۂ نقشبندیہ میں مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں۔

بیعت

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ عالمگیر کی یہ شہرت سن کر کہ وہ علوم و

معارف کا قدر دان ہے اور علماء و حفاظ کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ اس تصور سے کہ شاہی حکم سے ان کا کچھ یومیہ یا روزینہ مقرر ہو جائیگا۔ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لے گئے، اتفاقاً آپ کی ملاقات سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی سے ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم نے ایک ہی نظر میں آپؒ کے جوہر قابل اور علمی استعداد کا اندازہ فرمالیا اور آپؒ کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ اپنے پاس ٹھہرایا، اور فرمایا کہ اگر تم کو پسند ہو تو میرے بچوں کو تعلیم دو۔ اور اسکے عوض میں تمہارے اور تمہارے وابستگان کے اخراجات کا کفیل ہونگا۔ حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ اور آپؒ حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادوں کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔

شیخ عبدالرحیم گرہوری کا بیان ہے کہ ابتداً، مخدوم آدم کو حضرت خواجہ محمد معصوم سے عقیدت نہ تھی، اور اسکی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ٹھٹھہ سے ملتان تک، پورے سندھ میں آپؒ کے ہم پایہ کوئی عالم نہ تھا۔ علم و فضل کا کمال، عقیدت و نیازمندی سے بے نیاز تھا، ایک روز حضرت خواجہ محمد معصوم نے نہایت شفقت سے اُن سے قرآن مجید کی اس آیت والطور ہ وکتاب مسطور ہ فی رق منشور ہ والبیت المعمور ہ کے معنی پوچھے، مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی توجہ اور وضاحت سے آیت کے معنی بیان فرمائے، عین اسوقت جب کہ وہ آیت کے معنی بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی توجہ باطنی سے اُن پر عرفان و عقیدت کی راہیں کھولیں، حضرت خواجہ محمد معصوم کی نگاہ کیمیا اثر کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت مخدوم آدمؒ نے اسی وقت آپ کے زمرۂ عقیدتمندوں میں داخل ہو کر آپکے دستِ حق پر بیعت کرلی۔

ریاضت و مجاہدے

ایک طویل عرصہ تک حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے، تقریباً سات سال تک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہی۔ یہ کیفیت اس قدر مکمل تھی کہ اس زمانے میں جو خطوط آپؒ کے پاس وطن سے آتے تھے تو حضرت مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ ان کے لفافوں کو الجھن اندیشے سے کھولتے

تک نہ تھے کہ کہیں ان میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو سکونِ خاطر میں برہمی کا باعث ہو کر استغراق کی کیفیت کو زائل کردے۔

خلافت

ان ریاضتوں اور مجاہدوں کی تکمیل کے بعد آپؒ کے شیخ حضرت خواجہ محمد معصوم نے آپکو خلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن جاکر رشد و ہدایت کے فرائض انجام دو کہ منتہائے تصرف یہی ہے کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خالق سے جوڑا جائے حضرت مخدوم آدم نقشبندیؒ نے عرض کیا کہ تعمیل ارشاد میرا فرض ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں اس قدر مشائخ کرام ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے میری طرف کون رجوع کریگا۔ آپکے شیخ نے فرمایا، جاؤ سارا سندھ بھی اگر مشائخ سے بھرا ہوا ہو تو اسکی پروا نہ کرو چنانچہ جب حضرت مخدوم آدم رحمۃ اللہ علیہ سندھ میں تشریف لائے، طالبانِ حق دُور دُور سے آپ سے فیض حاصل کرنیکے لئے حاضر ہونے، بڑے بڑے علماء اور مشائخین آپکی خدمت میں حاضری کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اور حضرت مخدوم آدم نقشبندیؒ کی خانقاہ ہر وقت طالبانِ حق سے معمور رہتی تھی۔

اپنے ہمعصروں کی توقیر

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ باوجود علو مرتبت اور افزونیِ مدارج کے اپنے ہمعصر بزرگوں کی بڑی عزت و توقیر فرماتے تھے، چنانچہ ایک دوسرے بزرگ حضرت مخدوم آدم بن اسحاق جو آپؒ کے ہم نام اور ہمعصر تھے۔ آپ ان کی انتہائی تعظیم کرتے اور لوگوں سے کسرِ نفسی کی بنا پر کہتے کہ مجھے بجائے آدم کے آدو کہا کرو، اس لئے کہ ایک شہر میں دو آدم کیسے ممکن ہو سکتے ہیں۔

فضائل

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ نقشبندیہ میں، بہت بڑے صاحب کمال اور عالی مقامات پر فائز سمجھے جاتے تھے۔ بہت سے تاریک دلوں نے آپ کی مشعلِ ہدایت سے روشنی پائی، اور ایک بڑی جماعت نے آپؒ کی برکت سے ہدایت حاصل کی۔ مشہور ہے کہ مُلّا آخوند یوسف آپؒ کی مسجد کا امام تھا اور بغیر آپؒ کے تشریف لائے ہوئے نماز شروع کرتا تھا، ایک دن حضرت مخدوم آدم بن اسحاق کے بیٹے میاں ابوبکرؒ

نماز باجماعت ادا کرنے کیلئے مسجد میں آئے، دیکھا کہ نماز ہوچکی ہے، انہوں نے امام مسجد کو ڈانٹ کر کہا کہ تم سوائے حضرت مخدوم آدم کے کسی دوسرے آدمی کی پرواہ نہیں کرتے اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے تو ہم تم کو اس مسجد کی امامت سے معزول کردینگے امام مسجد، بہت ہی ملول اور رنجیدہ ہوکر حضرت مخدوم آدو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپؒ نے فرمایا گھبراؤ نہیں، جاؤ اور اپنے مکان کے بالاخانے پر بیٹھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوجاؤ، تم دیکھو گے کہ ابوبکر صدر خود تمہارے دروازے پر آئیں گے، لیکن یاد رکھو کہ جب تک تم ان سے اپنے معاملے کا صحیح تصفیہ نہ کرلو ہرگز صلح نہ کرنا۔

حضرت مخدوم آدو نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق، امام مسجد اپنے بالاخانے پر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوئے، اور اُدھر میاں ابوبکر پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوئے لیکن وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہ درد کس وجہ سے ہے، چنانچہ پالکی میں سوار ہوکر امام کے دروازے پر پہنچے، اور رونے لگے، لیکن امام مسجد اپنی تلاوت میں مصروف رہا۔ جب میاں ابوبکر صدر کا رونا حد سے بڑھا تو امام مسجد نے ان کو اس شرط پر معافی دی کہ وہ ان کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی اور خلعت و سند مجدداً عطا کرینگے جب وہ راضی ہوگئے تو امام مسجد نے کچھ پڑھکر پانی پر پھونکا اور وہ اُن کو پینے کیلئے دیا اسی وقت میاں ابوبکر نے خدا کے فضل سے شفا پائی۔

وفات

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھٹھہ میں وفات پائی۔ آپؒ کا مزار مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے مخدوم فیض اللہ اور مخدوم اشرف تھے، دونوں صاحبزادے علم و فضل، زہد و ورع، تقویٰ و تقدس سے ممتاز تھے۔
حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات کے وقت مخدوم فیض اللہ کو

اپنا جانشین بنایا، چند دن کے بعد، یہ دونوں صاحبزادے سرہند میں بھی حاضر ہوئے اور وہاں سے فیض و برکات حاصل کئے، اور اپنے وطن (سندھ) میں واپس ہو کر اپنے والد محترم کے طریقے پر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے، افسوس ہے کہ اپنی والد کی وفات کے پانچ سال بعد دونوں نے عالم نوجوانی میں ایک سال کے فاصلے سے وفات پائی، اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں مشرقی جانب مدفون ہوئے۔

مخدوم اشرف کے صاحبزادے مخدوم محمد کا سجع یہ مصرع تھا۔

ع محمد، اشرف اولاد آدم

خلفاء

حضرت مخدوم آدم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور مریدین میں شیخ ابوالقاسم شیخ ابراہیم روہڑی، سید فتح محمد اور شیخ انس مشہور ہیں، مخدوم صابر دوہاری نے بھی آپ سے استفادہ کیا تھا۔

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام

آپ کا اسم گرامی ابوالقاسم، لقب نورالحق تھا، جو آپکے پیر و مرشد شاہ سیف الدین قدس سرہ نے دیا تھا لیکن آپ پورے سندھ میں "حضرت نقشبندی صاحب" کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سے آپ نے اسوجہ سے شہرت پائی کہ ابتداء سندھ میں سلسلۂ نقشبندیہ کا وجود نہ تھا، بلکہ سارے سندھ میں طریقۂ قادریہ اور سہروردیہ پھیلا ہوا تھا، سلسلۂ چشتیہ کا اگرچہ سندھ میں موجود تھا، لیکن وہ بھی زیادہ شائع نہ تھا، اس وقت سندھ میں صرف نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مخدوم آدم نقشبندیؒ تھے مگر لوگ سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے،

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جب سرہند سے خرقہ، خلافت حاصل کر کے سندھ تشریف لائے تو حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کو سندھ میں عام کرنے کی عظیم ترین جدوجہد کی، آپؒ روزانہ مزدورں، معماروں لکڑی بیچنے والوں اور سبزی فروشوں کو طلب فرماتے تھے اور طریقۂ نقشبندیہ کی تعلیم دیتے، شام کو

جب یہ لوگ رخصت ہونے لگتے تو ہر ایک کو ان کی روزانہ کی اُجرت کے مطابق رقم عطا فرماتے، آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب لوگ حضرتؒ کے پاس جمع ہونے لگے، یہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ یہ سلسلہ بھی نیا ہے اور یہ طریقۂ تعلیم بھی نیا ہے جب یہ سلسلہ سندھ میں عام ہوگیا، اور لوگوں کا شعور بیدار ہوگیا تو حضرت مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ عطا مسدود فرمادیا اور آپ "نقشبندی صاحب" کے نام سے مشہور ہوگئے۔

کنیت

حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ کے والد کا نام درس ابراہیم تھا، ان کے بزرگ ابتداء ہی سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے مُرید و معتقد تھے، حضرت مخدومؒ کے خاندان میں سب سے پہلے درس ابراہیم ٹھٹھہ تشریف لائے اور ٹھٹھہ ہی میں وفات پائی۔

تعلیم و تربیت

ابتداً حضرت مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علوم ظاہریہ کی تکمیل کی، پھر آپؒ علوم باطنیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

شروع میں حضرت مخدوم ....

شیخ مخدوم آدم قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے اور ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اسی زمانہ میں ایک روز حضرت شیخ مخدوم آدم نے مخدوم ابوالقاسم کے جوہر قابل کو پرکھ کر فرمایا۔ میاں صاحبزادے! تم میں نہایت عمدہ صلاحیت ہے، اگر تم سرہند چلے جاؤ تو شاید وہاں تم اپنی بلند استعداد کے مطابق استفادۂ فیوض و برکات کرسکو، شیخ آدم کی زبان مبارک سے یہ نوید سُنکر آپ میں سرہند شریف کیلئے ایک کشش پیدا ہوئی، اور آپؒ فوراً سرہند روانہ ہوگئے۔

حضرت شاہ سیف الدین سے ملاقات

جب حضرت مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ سرہند پہنچے تو اُس وقت حضرت شاہ سیف الدین جو حضرت مجدد ثانی کے پوتے ہوتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے مزار پر حاضری

دینے کیلئے پالکی کے انتظار میں تھے، ابھی مخدوم ابو القاسم چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ انہوں نے آپ کو دور سے دیکھ کر فرمایا "داداصاحب آپ کی سفارش فرماتے ہیں"۔ یہ سنتے ہی حضرت مخدوم ابو القاسمؒ فوراً ہی قدم بوس ہوئے، حضرت شاہ سیف الدین نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ زیارت کو چلا کرو، چنانچہ حضرت مخدوم ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہو گیا کہ آپ ہمیشہ حضرت شاہ سیف الدین کے ساتھ، حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضر ہوتے۔

بیعت

مختصر یہ کہ سلوک و طریقت کے تمام منازل حضرت مخدوم ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ سیف الدین سے طے کئے اور آپ ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اس سلسلے میں تین مرتبہ حضرت مخدوم ابو القاسم نقشبندیؒ سرہند حاضر ہوئے اور اپنے مرشد سے اکتساب فیوض باطنی کرتے رہے۔

مرشد کا ارشاد

حضرت مخدوم ابو القاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جب تیسری مرتبہ اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شاہ سیف الدین نے ارشاد فرمایا کہ میاں اب ہمارا تمہارا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا، اب تم سندھ جا کر ہمارے طریقے کو پھیلاؤ، حضرت مخدوم ابو القاسمؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے، لیکن قرآن مجید میں ہے کہ: قُلُوبُهُم كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً، ترجمہ:- یعنی بعض آدمیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ فرمایا۔ ہاں بلاشبہ ایسا ہی ہے، تم سندھ کے کسی ایک عالم کی طرف متوجہ ہو۔

پیر کے ارشاد کی تعمیل

چونکہ اس وقت سندھ میں اپنے علم و فضل، تقویٰ و تقدس کے اعتبار سے میاں عبد الباقی واعظ ساکن مشہور تھے، حضرت مخدوم ابو القاسمؒ نے سرہند میں بیٹھے ہوئے اُن پر توجہ کی، اُس وقت میاں عبد الباقی وعظ فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہے، اسکی اطلاع

جب شاہ سیف الدین اور مخدوم ابوالقاسم کو سرہند میں پہنچی تو شاہ سیف الدین نے مخدوم ابوالقاسم سے فرمایا کہ تم نے اپنی توجہ کا کرشمہ دیکھا، جاؤ اب سندھ میں تم سے رشد و ہدایت کے سرچشمے پھوٹیں گے، وہاں پہنچکر دین کو حیات نو بخشو۔ مخدوم ابوالقاسم نے عرض کیا مجھے تعمیل ارشاد میں عذر نہیں، مگر جب کہ طالبان حق کی آمدورفت میرے پاس کثرت سے ہوگی، اُن کے اخراجات خورد و نوش کا انتظام کیا ہوگا؟ فرمایا آؤ، تاکہ میں تمہیں عمل قرطاس سکھادوں، کاغذ کاٹ کر مٹھی میں لو، خدا کے حکم سے تم روپیہ یا ریال یا اشرفی جس چیز کا خیال تم دل میں کروگے مٹھی کھولنے کے بعد اسے پاؤگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مخدوم ابوالقاسم نقشبندیؒ کو تسخیر ہوا کا عمل بھی بتایا تھا یعنی ہوا میں ہاتھ مارتے تھے اور جو چاہتے تھے مٹھی میں آجاتا تھا۔

سندھ میں پہنچنے کے بعد حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا، لوگوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف بلایا، برائیوں اور بد اخلاقیوں سے روکا۔ یہاں تک کہ سندھ کے علاوہ دور دور سے لوگ طالب حق بنکر آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہ راست پاکر واپس جاتے تھے۔

نظام اصلاح و تربیت

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے اصلاح و تربیت کا نظام کسی خاص طبقے یا جماعت سے متعلق نہ تھا، بلکہ آپؒ کے رشد و ہدایت کا ابر گہر بار خاص و عام دونوں کو فیض یاب کرتا تھا اور دونوں طبقے کے لوگ آپؒ کی ذات بابرکات سے مستفید ہوتے تھے۔ تحفۃ الطاہرین میں ہے کہ:۔

"آں ذاتِ ملک صفات خورشید مرحمت بود کہ بر خلق می تافت' و سحاب رحمت بود کہ عالم از رشحۂ عنایتش فیض می یافت' ہزاراں مردم بحسن نظر فیض اثر وی بمسلک دل راہ بردند و مشتغل ذکر خفی و رجۂ تحقیق رسیدند۔

~~~ ❁ ~~~
~~~

استجابت دعا

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ بیحد مستجاب الدعوات تھے، ٹھٹھہ کے گورنر نواب سیف اللہ خان کا ایک مصاحب حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سے چھپی ہوئی دشمنی رکھتا تھا، اور آپ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا تھا۔ اُس کی خفیہ کوشش یہ تھی کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جس سے نواب سیف اللہ خان مخدوم محمد معین کے خلاف ہو جائے، لیکن اسکی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوتی تھی، ایک دن اس نے نہایت چالاکی سے علاقہ چاچکان کی فوجداری کی خدمات کے احکام نواب سے اپنے لئے حاصل کر لئے کیونکہ اس علاقے میں مخدوم محمد معین کی جاگیر واقع تھی، جس سے اسکا مقصد یہ تھا کہ وہاں پہنچکر مخدوم محمد معین کی جاگیر کو نقصان پہنچائے اور اس حد تک ویران کرے کہ کبھی آباد نہ ہو سکے، مخدوم محمد معین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیرو مرشد مخدوم ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تمام واقعہ بیان کیا، آپ اسوقت وضو کر رہے تھے، واقعہ سنتے ہی لوٹا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ گیا، آپ مخدوم محمد معین کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ مطمئن رہو اس بداندیش کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا، چنانچہ جیسے ہی وہ فوجداری چاچکان کے احکام لیکر روانہ ہوا، اور ابھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا ہی تھا، اور دریا کے گھاٹ سے آگے گذرنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اس کا گھوڑا چراغ پا ہوا، اور وہ گھوڑے سے گرا، گھوڑا اسکو زمین پر گھسیٹ کر اس حال میں بھاگا کہ اسکا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اور گھوڑا دوڑ رہا تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں اس نے دم توڑ دیا۔

مریدین و خلفاء

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و خلفاء کی تعداد کثیر ہے۔ تکملۂ مقالات الشعراء کے فٹ نوٹس میں سید حسام الدین صاحب راشدی نے "طومار سلاسل" کے حوالے سے آپ کے مریدین و فیض یافتگان کے حسب ذیل اسمائے گرامی دیئے ہیں:۔

(۱) مخدوم محمد معین ٹھٹھوی۔

(۲) محمد مقیم ولد سعد اللہ، ساکن

(۳) میاں محمد یعقوب سمہ، ساکن قریہ گبھر

(۴) شیخ یحیٰی عرب (جنہوں نے مدینۂ طیبہ میں اس طریقے کا احیا کیا۔)

(۵) سید سلطان شاہ ہندی۔

(۶) میاں حبیب، مشہور بمیت پوترہ

(۷) میاں عبد الولی، برادر عبد الباقی واعظ اگھمی۔

(۸) حاجی کمال اودھیجہ

(۹) مخدوم ضیاء الدین دانشمند معروف ٹھٹھوی

(۱۰) میاں نور محمد سہار

(۱۱) سید ناصر ولد سید نعمت اللہ شکر الٰہی، شیرازی۔

(۱۲) سید عبد اللہ ولد سید نعمت اللہ شکر الٰہی شیرازی

(۱۳) مخدوم عنایت اللہ بصیر، واعظ ٹھٹھوی

(۱۴) میر مرتضیٰ ولد میر کمال الدین خان رضوی

(۱۵) سید رحمت اللہ عرف سید متو، شکر الٰہی شیرازی

(۱۶) میاں عبد الباقی واعظ، ساکن اگھم و منگلوی

(۱۷) عبد الرحیم سُومرو۔

(۱۸) مخدوم عبد اللہ، نصر پوری

(۱۹) درس بلال، ساکن بران

(۲۰) میاں محمد، نواسۂ مخدوم آدم نقشبندی

معیار السالکین میں بھی آپؒ کے دو تین خلفاء کا تذکرہ موجود ہے جو بندر سورت میں رہ کر سلسلۂ نقشبندیہ کے فروغ و ترقی میں مصروف تھے۔

میاں ابو الحسن خشت والا جو عمر کوٹ کے قریب کہیں رہتے تھے اور بزرگوں سے نہایت عقیدت رکھتے تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جس شہر میں کسی بزرگ کا تذکرہ سنتے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دہہ یا دو دہے یا ایک چلہ گذار کے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ جب مخدوم ابو القاسمؒ کے فیوض و برکات کا چرچا سندھ

میں عام ہوا تو یہ بھی ایک چلّہ گذارنے کیلئے آپ کی خدمت میں پہنچے، حضرت مخدوم ابو القاسمؒ نے تین چار روز کے بعد ان کو روانگی کی اجازت دیدی، اور خلافت عطا فرماکر حکم دیا کہ اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق دین پھیلائیں۔ جب یہ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اہل وطن ان سے ملنے کیلئے آئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ آپ کی تو عادت یہ ہے کہ آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے پاس ایک یا دو چلّے گذارتے ہیں۔ شاید آپ کا وہاں دل نہیں لگا۔ اسی لئے جلد تشریف لے آئے میاں ابوالحسن نے کہا افسوس ہے کہ تم کیسی فضول باتیں کررہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کی ایک دو گھڑی دوسروں کے یہاں تمام عمر کے رہنے سے بہتر ہے، وہ چیز کہ جس کی مجھے تلاش تھی، اور جیسے ہر دروازے پر ڈھونڈتا تھا۔ اس بارگاہ میں، میں نے تین چار روز میں حاصل کرلی۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے درگاہِ حضرت پیر پٹھا میں تصوف کے کسی خاص مقام کے حصول کیلئے ایک چلّہ کھینچا، جب چالیسویں رات ہوئی، تو عالم مراقبہ میں حضرت پیر پٹھا نے فرمایا کہ "بابا نہ اس زمانے میں لوگوں کی وہ طلب ہے، اور نہ وہ طلب کرنے والے ہیں۔ تم جس مقام کے طالب ہوکر آئے ہو وہ تمہیں بغیر محنت کے کیسے حاصل ہوسکتا ہے"، بیچارہ بددل اور ملول ہوکر وہاں سے لوٹا۔ اور مخدوم ابوالقاسمؒ کی شہرت سُنکر آپؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تھوڑے ہی دن میں تصوف کے جس مقام کا وہ طالب تھا، اس سے بلند تر مقامات پر فائز ہوا، ایک روز اس نے تنہائی میں حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ سے درگاہ حضرت پیر پٹھا پر چلّہ کھینچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر قدس سرہٗ نے تو ایسا فرمایا تھا۔ اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر چند ہی دن میں اس مقام سے کہیں بالاتر گذر چکا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک بابا پیر قدس سرہٗ نے جو تم سے فرمایا تھا۔ وہ صحیح ہے جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے، مگر یہاں خدا کی رحمت کا بحرِ بے پایاں جوش میں آیا ہوا ہے۔ جو ہر خشک زمین کو سیراب کررہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک دوسری چیز ہے، اور کسب ایک اور چیز، کاسب خواہ درزی ہو یا دھوبی، اگر تم اس سے سوال کرو کہ تم ایک لاکھ

روپیہ جمع کر سکتے ہو، وہ بغیر تامل کے جواب دیگا۔ کہ میرے لئے یہ ناممکن باتوں میں سے ہے، لیکن وہ شخص جس کو بادشاہِ وقت نے طلب کرکے اپنی مہربانی سے ایک وقت میں دس لاکھ روپیہ دیدیا ہو، اگر اس سے یہی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے گا کہ اگر خدا چاہے تو یہ ایک منٹ میں ممکن ہے۔

حجرۂ حضوری

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا خانقاہ کے جس حجرے میں قیام تھا وہ حجرۂ حضوری کہلاتا تھا، حجرہ حضوری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات عشا کے بہت دیر بعد آپؒ کے حجرے سے دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی، خانقاہ کے فقیروں نے یہ سمجھا کہ شاید شہر کے عمائدین میں سے کوئی آیا ہے جس سے حضرت مخدومؒ باتیں فرمارہے ہیں، تھوڑی دیر میں حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ حجرے سے برآمد ہوئے اور تازہ وضو کیا، اور خانقاہ کے ایک فقیر سے فرمایا کہ حجرے میں سے ہماری دستار لاؤ، فقیر حجرے سے دستار لینے کیلئے گیا، لیکن وہ اندر داخل ہوا تو اُسے حیرانی ہوئی کہ حجرے میں کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ وہ بہت دیر تک حیران رہا کہ حجرے میں کوئی موجود نہیں، آخر یہ دوسری آواز کس کی تھی، کچھ دن بعد اسی خادم نے راز میں اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اس وقت سے آپؒ کے حجرے کا نام حجرۂ حضوری پڑ گیا۔

وفات

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ۷ شعبان المبارک ۱۱۳۸ھ کو واصل فی اللہ ہوئے، سال تاریخ وفات اس شعر کے مصرعہ ثانی سے نکلتا ہے۔

بسال وصل او ہاتف بفرمود ابوالقاسم سراسر نور حق بود

فضائل

حضرت شاہ ضیاء الدین الحق صاحب سرہندی طریقہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ تھے انھوں نے فرمایا کہ جب میں نے یہ سنا کہ شیخ جیسے چراغ مکلی ہیں، تو مجھے خیال ہوا کہ آپؒ

کے مزار مبارک کی زیارت کرنی چاہیئے، چنانچہ انہوں نے مکلی حاضر ہو کر شیخ جیہ کے مزار کی زیارت کی پھر فرمایا بیشک آپ "چراغ مکلی" ہیں۔ جب انہوں نے حضرت مخدوم ابو القاسمؒ کے مزار کی زیارت کی تو فرمایا کہ یہ بزرگوار مکلی کے خورشید ہیں۔ اور خورشید کے سامنے چراغ کی کیا حقیقت ہے۔

حضرت شاہ ضیاء الدین پھر ایک مرتبہ سندھ تشریف لائے اور حضرت ..... مخدوم ابوالقاسمؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے تو دیر تک مراقبہ کیا، پھر فرمایا یہ تو سرہند کی خانقاہ ہے۔

حضرت مخدوم ابو القاسمؒ کی بزرگی اور فضیلت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کے شیخ شاہ سیف الدین کے پاس جب سندھ کے بڑے بڑے علماء اور اولیاء خط لکھتے اور کچھ دریافت کرتے تو آپ تحریر فرماتے کہ خدا کیطرف سے خطۂ سندھ مخدوم ابوالقاسمؒ کے حوالہ ہے، جو کچھ پوچھو ان سے پوچھو۔

سندھ کے عظیم المرتبت عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ہر روز آپ کی نشست گاہ میں جاروب کشی کو اپنی سعادت سمجھتے تھے اور آپ سے توجہ و تلقین کے طالب رہتے تھے۔

شاعری

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر صاحب مرغوب الاحباب نے اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے، جسے ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں ؎

ہر حرف آرزو کہ نوشتم خراب شد || ہر لوح دل چو تختۂ تعلیم کودکاں

اولاد

حضرت مخدوم ابوالقاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں میاں احمد رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر چمکے، لیکن افسوس ہے کہ عالم جوانی میں .... آپ نے وفات پائی۔

ع خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

حضرت درویش اسحاق بوٹہ رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

حالات

حضرت درویش اسحاق بوٹہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب حال اور باکرامت بزرگ تھے، اپنا سارا وقت عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں میں گذارتے تھے، سخاوت و فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ اُن کے پاس ہوتا خدا کی راہ میں دے دیتے، یہاں تک کہ اگر کچھ کبھی نہ ہوتا اور کوئی سائل و مسکین حضرت درویش اسحاق کے دروازے پر آجاتا تو اپنی چادر اور تہبند اسکو دیدیتے؛ لیکن اُسکو خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔

صائم الدہر تھے، اور آخر عمر میں ایک ہتھیلی بھر اجوائن سے روزہ افطار کرتے۔

وفات

ایک روز فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، عین سجدے کی حالت میں حضرت درویش اسحاق نے وفات پائی۔

مزار

حضرت درویش اسحاق بوٹہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص عام ہے۔

حضرت مخدوم بلال تلھٹی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام

حضرت مخدوم بلال تلھٹی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بلال تھا۔

وطن

حضرت مخدوم بلال تلھٹی موضع تلھٹی کے رہنے والے تھے۔ شاہ حسن ارغون جو کہ سندھ میں ارغون خاندان کا دوسرا بادشاہ تھا، کے ہمعصر تھے۔

ملاقات و ہمنشینی

حضرت مخدوم بلال رحمۃ اللہ علیہ حقائق و معارف آگاہ؛ مخدوم جمعہ کے ہمنشین تھے اور ان سے انتہائی مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے۔ مخدوم جمعہ اپنے وقت کے جید عالم اور بڑے متقی و

متدین بزرگ تھے۔

علوم ظاہری

حضرت مخدوم بلال رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری میں بھی بڑا بلند مرتبہ رکھتے تھے، اور لوگ ان کے تبحر علمی سے استفادہ کرتے تھے، صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے لکھا ہے کہ "وواز اجلۂ عارفانِ، واصل بحق در علم ظاہر، ثنائے عظیم داشتہ"۔

میر معصوم بھکری نے اپنی مشہور کتاب تاریخ معصومی میں لکھا ہے۔

"در دادہی تقوی وزہد شبیہہ و نظیر نداشتہ در علم حدیث و تفسیر مہارتِ تامہ داشتہ و صاحب مقاماتِ ارجمند بود"۔

عبادت

حضرت مخدوم بلال تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ کو ایام طفلی ہی سے عبادت کا ذوق و شوق تھا، ہمیشہ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ساری عمر حضرت بلالؒ نماز و روزے میں مصروف رہے، ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ رات کو آپؒ پانی سے بھرے ہوئے ایک بڑے طشت میں بیٹھ کر ذکر و شغل کرتے۔ ذکر و شغل کی وجہ سے پانی میں ایک جوش پیدا ہو جاتا اور پانی چکی کی طرح گھومنے لگتا اور پانی میں یہ جوش اس وقت تک باقی رہتا تھا تاوقتیکہ صبح کو وہ پانی دریا میں نہ پھینک دیا جاتا۔

رشد و ہدایت

حضرت مخدوم بلال رحمۃ اللہ علیہ کی اس زہد، عبادت اور ریاضت کے باوجود رشد و ہدایت کے فرائض سے کبھی غافل نہ ہوئے، عوام کی مذہبی اور روحانی تعلیمات کیطرف حضرت بلالؒ کی خاص توجہ تھی، عبادت و ریاضت کے بعد آپؒ کو جو کچھ وقت ملتا آپؒ اس وقت کا بڑا حصہ پند و موعظت میں صرف کرنے اور عوام کی اخلاقی و معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کرتے۔

بزرگوں کی عقیدت

حضرت بلال تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ بزرگوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتے اور ان کے مزار پر حاضری و زیارت کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

Scanned with CamScanner

ایک دفعہ حضرت بلالؒ سلطان العارفین حضرت مخدوم لعل شہباز قلندرؒ کی زیارت کیلئے کشتی میں بیٹھ کر سیہون تشریف لے جارہے تھے، کشتی کا ملاح جیسا کہ اُن لوگوں کی عادت ہوتی ہے، گالی گلوچ وخرافات بکنے میں مصروف تھا، لوگ اسکی یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے تنگ آکر بار بار اُس کو روکتے تھے مگر وہ کسیؔ کی نہ سنتا تھا، اور برابر اپنی بکواس میں لگا ہوا تھا۔ جب معاملہ حد سے بڑھا اور وہ کسی طرح خاموش نہ ہوا تو مخدوم بلالؒ اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی ٹوپی ملاح کے سر پر رکھ دی، ٹوپی کا سر پر رکھنا ہی تھا کہ ایک عجیب وغریب تبدیلی ملاح میں پیدا ہوئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہی ملاح جو طرح طرح کی بکواس کر رہا تھا ٹوپی کے سر پر رکھتے ہی یکایک قرآنی آیات کے معارف اور احادیث نبویؐ کی توضیحات کرنے لگا، کشتی میں بیٹھنے والا ہر فرد اس تبدیلی پر حیران تھا، یہاں تک کہ سفر پورا ہو گیا، کشتی سے اُترتے وقت مخدومؒ نے اپنی ٹوپی اُس کے سر پر سے اُتار لی، ملاح کی پھر وہی حالت عود کر آئی۔ حسب عادت پھر وہ اپنی بکواس میں مصروف ہو گیا۔

وفات

حضرت مخدوم بلال تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ نے ارغون خاندان کے پہلے بادشاہ شاہ بیگ ارغون کے ایک سال بعد ۹۲۹ھ میں وفات پائی، آپؒ کا مزار "مکلی" میں درگاہ شیخ حماد جمالی کے عقب میں واقع ہے۔

خلفاء ومریدین

حضرت مخدوم بلال تلہٹی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں مخدوم رکن الدین مشہور بہ مخدوم متو امتیاز خاص رکھتے تھے۔ مخدوم متو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، ہمیشہ اوراد و وظائف وعبادات میں مصروف رہتے، مسند ارشاد پر بیٹھے تو اُن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، معصومی میں لکھا ہے کہ:-

"سالکانِ طریق زہد وتقویٰ وطالبان منہاج رشاد وہدیٰ نسبت باو در غایت ارادت بودند و اعتماد بر سلوک او نمودند"۔

علوم ظاہری میں بھی یگانۂ عصر اور صاحب تالیف وتصنیف تھے، حضرت مخدوم بلالؒ کی تصانیف میں شرح اربعین، شرح کیدانی اور بعض دوسرے رسائل مشہور ہیں۔

مخدوم رکن الدین نے سنہ ۹۴۹ھ شاہ حسن بیگ ارغون کے زمانے میں ٹھٹھہ میں وفات پائی۔ حضرت مخدوم بلال رح کے تربیت یافتگان میں مورخین نے سید حیدر ساکن موضع تتن کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو بارہ سال کی عمر میں آپ رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے فیض تربیت سے روحانی مراتب کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے، سید حیدر نے سنہ ۹۲۷ھ میں وفات پائی۔

شاعری

حضرت مخدوم بلال ٹھٹی رحمۃ اللہ علیہ شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے ان کی ایک رباعی صاحب مقالات الشعراء نے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے دقیق نکات کو انتہائی دل آویزی و دلکشی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

در راہِ خدا از سر قدم باید ساخت
سرمایۂ اختیارِ خود می باید باخت
کفر است بخود نمائی بردن بجہاں
از خویش بروں شدہ بسویش بباید تاخت

حضرت شیخ پٹھا دیبلی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام

حضرت شیخ پٹھا دیبلی رح کا اصل نام حسین، لقب شاہ عالم کنیت ابو الخیر ہے، والد کا نام راجبار اور والدہ کا نام سلطانی بنت مراد بن شرقوم ہے۔ لیکن سارے سندھ میں آپ رح "شیخ پٹھا" کے نام سے مشہور ہیں۔

نسب

حضرت شیخ پٹھا دیبلی رح کا سلسلۂ نسب حسین بن راجبار بن کاھ بن سنجیرہ ہے۔ قانع کا بیان ہے کہ مشہور بزرگ شاہ جمیل گرناری (سید عبدالہادی بن سید عبدالعطاس بھی آپ رح کی بیعت میں داخل تھے اور ان کا مقبرہ حضرت شیخ پٹھا رح کے مقبرے کے پاس واقع ہے۔

بزرگی و عظمت

حضرت شیخ پٹھا دیبلی رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے قدیم بزرگوں میں سے ہیں کہ جن سے اس ملک میں ہدایت و عرفان کا نور پھیلا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان کی بزرگی اور کمال کا

Scanned with CamScanner

اعتراف علامہ قاضی محمود کے ان الفاظ کو نقل کرتے ہوئے کیا ہے۔

"اقدام اولیاء و اکرام واصلانِ راہ خدا می باشد در تعریفش چہ قدم، کسی راہ رود کہ شمہ از والا مقالاش بدفتر نگنجد، در اکثر سند ہمچو صاحب کمالی کم برخواستہ"۔

بیعت

حضرت شیخ پٹھا بیلی رحمۃ اللہ علیہ موضع آری کے قریب ایک پہاڑی کے غار میں جہاں آج آپ کا مزار پر انوار واقع ہے، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی شاہ عثمان شہباز کے ساتھ اس پہاڑ سے گزرے تو آپ نے اپنے مکاشفہ سے اس جوہر قابل کو محسوس کیا، جو لعل کی طرح اس پہاڑ میں مستور تھا، آپ نے شیخ پٹھا کو اس غار سے نکال کر اپنے دستِ حق پرست پر بیعت کیا" اور چند ہی دن میں حضرت شیخ بہاء الدین کی نگاہِ فیضِ اثر نے شیخ پٹھا کو آسمان ولایت کا آفتاب بنا دیا۔

اسکے بعد آپ کی ذات سے ہدایت و عرفان کے سندھ میں وہ چشمے جاری ہوئے کہ ہزاروں تشنگانِ معرفت نے حضرت شیخ پٹھا سے سیرابی حاصل کی۔

سندھ میں اُردو کا پہلا فقرہ

اُردو کا سب سے پہلا فقرہ جو آٹھویں صدی ہجری ۷۶۲ھ میں سندھ میں بولا گیا، وہ تاریخ فیروز شاہی میں محفوظ ہے۔ اور اس کی قدامت کو دیکھتے ہوئے بعضوں کو یہ گمان ہوا ہے کہ اردو نے سب سے پہلے سندھ ہی کی سرزمین میں جنم لیا ہے۔

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ جب پہلی مرتبہ سلطان فیروز شاہ تغلق جام یا بتیہ فرماں روائے سندھ سے شکست کھا کر گجرات گیا اور ٹھٹھہ کو فتح نہ کر سکا تو اہلِ سندھ نے اطمینان کا سانس لیا، وہ اسکے جانے کے بعد خوشیاں مناتے ہوئے کہا کرتے تھے۔

برکت شیخ پٹھا اک موا اک نٹھا

تاریخ فیروز شاہی کی اصل عبارت یہ ہے۔

"داول کرت کہ سلطان فیروز از ٹھٹھہ بے عرض سمت گجرات بازگشت ٹھٹھیاں این

سمن رادر دحجت ساختند ومیگفتند۔ "برکت شیخ پٹھا اک موا اک نٹھا"۔
"اک موا" سے ان کا اشارہ محمد شاہ تغلق کی طرف تھا جو ٹھٹھہ کو فتح نہ کرسکا اور ٹھٹھہ ہی میں بیمار ہو کر وفات پائی اور "اک نٹھا" سے ان کا اشارہ فیروز شاہ تغلق کی طرف تھا جو جام بابنیہ سے شکست کھا کر گجرات جاچکا تھا۔
اس فقرے سے اسکا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اہل سندھ حضرت شیخ پٹھا سے کس قدر دلی عقیدت رکھتے تھے۔

وفات

حضرت شیخ پٹھا دیلی رحمۃ اللہ علیہ ۶۶۶ھ میں واصل الی اللہ ہوئے اور آری کے قریب اُسی پہاڑ پر دفن ہوئے۔ جسکے غار میں آپؒ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔

عُرس

حضرت شیخ پٹھا دیلی رحمۃ اللہ علیہ کا عُرس ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوتا ہے، صاحب حدیقۃ الاولیاء نے اُس عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جو عوام و خواص کو حضرت شیخ پٹھاؒ کی ذاتِ بابرکات سے ہے، ایک طویل نظم لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں :-

شیخ پتہ از سر صدق و یقین — شد مرید شیخ زکریا امین،
بعد ازاں آں گوہر بحر شہود — از نقاب اختفا چہرہ کشود
ساخت عالم روشن از نورِ خویش، — کردہ ظاہر در جہاں آثار خویش
بر سر آں کوہ مسکن ساختہ — دل ز میل ماسوئی انداختہ
مدفن پاکش شد اکنوں آں مقام — خوش بیا سودہ در آں دارالسلام
خوش مزارے فیض بخش جان فزا — دیدۂ دل را ازو نور و ضیا،
قلۂ کوہش بگردوں بردہ سر — شمسۂ قصرش محاذی با قمر
نرد بانش سنگ و گچ پرداختہ — مُہرۂ مہرش مصقل ساختہ
مسلّم است یا منبر نور است ایں — یا کہ موج بحر کافور است ایں
روضۂ نہ بلکہ قصرے از بہشت — کز گلاب و عود و وز عنبر سرشت
از بخورِ عود و عنبر فی المثل، — حجلۂ حور است گوئی آں محل

در سوادِ صحن او از ہر طرف
چشمۂ آب رواں چوں سلسبیل
زائرانِ آستانش صد ہزار

سایہ در اشجار بینی ہر طرف
کاب او باشد شفا بخش علیل
میرسد از ہر طرف لیل و نہار

رحمتِ ایزد تعالیٰ پے بہ پے
ز آسمان منزل بود بر روح وے

حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نسب و خاندان

رشد و ہدایت کے روشن چراغ حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا اسم گرامی شیخ نعمت اللہ تھا، جو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی اولاد میں ہیں۔ شیخ نعمت اللہ سمہ خاندان کے فرمانرواؤں کے زمانے میں ٹھٹھہ تشریف لائے۔ اور ٹھٹھہ میں ہی وفات پائی۔ شیخ نعمت اللہ خود بھی بڑے باکرامت اور صاحب کمال بزرگ تھے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ رحمۃ اللہ علیہ بھی زہد و ورع اور عمل کی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک ہوئے۔ روحانی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، اپنی عظمت و جلالت کی وجہ سے وہ "چراغِ مکلی" کہلاتے ہیں۔ اُن کے عرفان و تصوّف کی روشن کی ہوئی شمع سے سینکڑوں انسانوں نے حق کی راہ پائی، صاحب تحفتہ الطاہرین نے لکھا ہے کہ

"ولے اجل اولیائے کرام و اقدام مشائخ عظام بودہ، بوفورِ انورِ ہدایت اور "چراغ مکلی" گویند، انوار معرفت از جبین ولے تاباں واشعۂ ہدایت از ناصیۂ ولے درخشاں بود، بسا مردم از فیض تربیت اوارہ بحق بروند و بسیار کساں بمین ہمتِ اور بملک معنی رسیدند۔"

کرامت

مشہور ہے کہ حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں میں سے ایک خادم کو ضعفِ بصر کا مرض یہاں تک بڑھا کہ وہ بینائی سے محروم ہو گیا، وہ ہر روز ایک وقت

مقبرہ پر حضرت شیخ جیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مگر زبان سے کچھ نہ کہتا، اسی طرح جب بہت دن گذر گئے تو شیخ جیہؒ نے خود اُس سے پوچھا کہ آخر تمہاری روزانہ حاضری کا کیا مقصد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور مجھے اسکا غم نہیں کہ میں نابینا ہو گیا ہوں مگر میرے لئے باعث افسوس تو یہ ہے کہ میرے لئے دل کی دنیا بھی تاریک ہے جو میرے لئے آنکھوں کی بینائی زائل ہونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ اسکی یہ گفتگو سُنکر بیحد متاثر ہوئے اور آپؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی، آپؒ نے اُس پر ایک نظر ڈالی۔ اُس نگاہِ فیض اثر کا پڑنا ہی تھا کہ دل نورِ بصیرت سے اور آنکھیں نورِ بصارت سے سنور گئیں۔

مزار

حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار کوہِ مکلی پر واقع ہے، قدیم زمانے میں ہر مہینے کے پہلے دوشنبہ کی رات میں آپؒ کے مزار پر عقیدت مندوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا، تحفتہ الکرام میں ہے کہ :-

"ہر سال بتاریخ موصوف مجمع سرگ عہد گردید خدام از شہر و بیرونی آنجا احیا نمایند و فقیران وجد و سماع آنماز ند، عزیب حالتی مشاہدہ گردد"

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفتہ الکرام میں لکھا ہے کہ یہ درگاہ اپنی نورانیت کی وجہ سے ممتاز ہے، میر صاحب لکھتے ہیں :-

"در مقام کوہ مکلی ایں درگاہ بفرط نورانیت مستثنیٰ است اہل زیارت با ستنداد ہمتش فائز ماجتند"

اس وقت بھی حضرت شیخ جیہؒ کے مزار پر ایک بڑا گنبد ہے، جس میں کئی قبریں واقع ہیں، جن میں دکن کی جانب حضرت شیخ جیہؒ کا مزار علیحدہ ہے، مقبرے کے گرد جو احاطہ ہے اُسمیں بھی ایک قبرستان ہے، حضرت شیخؒ کا مقبرہ اپنی کہنگی کی وجہ سے مرمت طلب ہے۔

فضائل

حضرت شیخ جیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ عارفانہ کا اعتراف صاحب حدیقۃ الاولیاءُ

نے حسب ذیل اشعار میں کیا ہے :-

آں سرور افتخارِ دوراں ،
گلدستۂ گلبن کرامت
آئینۂ مظہر تجلیٰ ،
روشن دل عارف حقائق ،
گل دستۂ گلشنِ کرامات
مِرآت خصائل رضیتہ
خضرِ دوئم و مسیح ثانی
نیکو خلفے تبجت والا
صبح نفتش ز فیض جاوید
تاباں ز رخش چراغ توفیق
صاحب ففنے کہ رفق را ایش
صد برگ دعایش از انابت
شاہنشۂ ملک ترک و تجرید
از صدق عقیدہ سرخیل رایاں
شاہانِ جہاں ہمہ گدایش
خوش روح فزا مزار پاکش
آراستہ گشتہ آستانے
فیض از در و بامش آشکارا
بشگفت چمن چمن بہارے
ہرکس بدنہاں صدق و ایقان
ایں گل بُئی تازہ شگفتہ
سرو بیتر بماند جاودانی ،

صدر زمن و مدار دوراں
نو بادۂ باغ استقامت
گنجینۂ جوہر تجلیٰ ،
سر دفتر واصلانِ خالق
سیاحِ محیط وجد و حالات
خورشیدِ جمال نشیخ جبیتہ
سر چشمۂ آب زندگانی
از شیخ بہاء دین و دُنیا
پیرا بہ دہِ بہارِ امید
مشکیں ز دمش دماغ توفیق
بخود قضارہ رضایش
بر فرقِ عمامۂ اجابت
یکتائے دُرِ زبحر تقدیر
بر خاک رہش کلاہ سایاں
دریوزہ گرِ درِ عایش
کز فیض سرِ رشتہ آب و خاکش
کز خلد بریں دہد نشانے
سرمست ز دیدنش نظارہ
گلہائے امید ازاں مزارے
بر چیدہ ازاں گلے بداماں
کز آب و ہوائے فیض رستہ
محروس ز آفت خزانی

مرغ چمنش ز پردۂ راز ،
ہموار چنیں بود نوا ساز

حضرت مخدوم جمعہ رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

حالات

حضرت مخدوم جمعہ رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ کے ممتاز ترین صوفیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ حضرت سید علی شیرازی اور شیخ اسحاق اربعائی کے ہمعصر ہیں۔

صاحب تحفۃ الکرام ان کے محامد و مناقب میں رقم طراز ہے کہ

"اجل اولیاء اکمل اتقیا بفضل و کمال معروف و بحال و قال موصوف معاصر سید علی ثانی شیرازی است"۔

صاحب تحفۃ الطاہرین نے ان کے اوصاف و فضائل کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے

"ولے اجل اولیاء و اکمل اتقیاء عالم عامل و فاضل کامل بود،
معاصر سید علی شیرازی و شیخ اسحاق اربعائی است۔"

ایک دفعہ ایک شخص مخدوم جمعہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس نے پوچھا کہ قرآن مجید کی اس آیت وَفِيٓ اَنۡفُسِكُمۡ‌ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝ کے کیا معنی ہیں۔؟ حضرت مخدوم جمعہؒ نے اُسکے معنی بیان فرمائے، اُس شخص نے کہا، یہ تو میں بھی جانتا ہوں، لیکن اس سے کیا حاصل کہ میں اسکو پڑھتا ہوں اور اپنے نفس میں کچھ نہیں دیکھتا۔ ؎

| یار در خانہ و من گرد جہاں می گردم | آب در کوزہ و من تشنہ لباں می گردم |

حضرت مخدومؒ اُسکے اِس کہنے پر اسقدر متاثر ہوئے کہ بیتاب ہوکر کبھی اُٹھتے اور کبھی بیٹھتے اور کبھی اسکی طرف دیکھنے لگتے تھے، آخر آپکی نگاہ فیض اثر نے اُسی مجلس میں اسکی آنکھوں سے اس حجاب کو اٹھا دیا جو معرفت الٰہی میں حائل تھا، اور وہ شاہد حقیقی کے جلووں کو اپنے میں محسوس کرنے لگا۔

وفات

حضرت مخدوم جمعہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنہ وفات تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھا لیکن قیاس چاہتا ہے کہ آپؒ نے دسویں صدی کے آخر میں وفات پائی ہوگی۔ کیونکہ آپؒ کے معاصر حضرت سید علی ثانی شیرازی کا سنہ وفات (۹۸۱ھ) ہے۔

~~~ ٭ ~~~
~~~

مزار

حضرت مخدوم جمعہ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ حماد جمالی رحمتہ اللہ علیہ ٹھٹھہ،

نام و نسب خاندان

حضرت شیخ حماد جمالی رحمتہ اللہ علیہ کا نام شیخ حماد جمالی ہی ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ رشید الدین جمالی تھا۔ آپ قدوۃ الواصلین شیخ جمال درویش اُچی کے دُختری نواسے ہیں۔

خانقاہ

ساموئی کے زیریں حصے میں جہاں آج حضرت شیخ حماد جمالی رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک واقع ہے۔ وہیں آپ کی خانقاہ تھی، جو اُس دور میں سلوک و معرفت اور علوم ظاہری کی تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

حضرت شیخ حماد جمالی کی عادت مبارک تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے، طالبانِ علم اور سالکان راہ طریقت درس و تدریس و فیوضِ باطنی کے حصول کے لئے خانقاہ میں حجرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ وہیں سے حقائق و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیۂ نفس کی تعلیم دیتے۔

طلباء کی تعداد

حضرت حماد جمالی رحمتہ اللہ علیہ سے روزانہ اکتساب علوم کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی، تحفتہ الطاہرین میں ہے۔

"گویند ہر روز صد ہزار تلامیذ از خدمتِ آں مہر سپہر ولایت اقتباس انوار علوم ظاہری و باطنی می نمودند"۔

مریدوں کا خیال

سندھ میں جام جونہ کی حکومت کا زمانہ تھا، اُس کا چچازاد بھائی جام تماچی اور اس کا لڑکا جام صلاح الدین حضرت شیخ حماد جمالی رحمتہ اللہ علیہ سے غیر معمولی عقیدت

رکھتے اور آپ کی بارگاہ کی حاضری کو اپنے لئے موجب سعادت و برکت سمجھتے تھے۔ مفسدین نے جام جونہ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ جام تماچی چاہتا ہے کہ شیخ حماد جمالی کی دُعا کی برکتوں سے وہ تخت سلطنت پر بیٹھے اور سندھ کی حکومت کو حاصل کرے۔ جام جونہ نے اس خبر کے سنتے ہی اپنے اراکینِ دولت سے مشورہ کر کے ان دونوں بے گناہوں کو قید کر کے خفیہ طور پر دہلی بھجوا دیا، وہاں یہ دونوں ایک عرصہ تک قید رہے۔ پھر حضرت شیخ کی دعاؤں کی برکتوں سے ان دونوں نے رہائی حاصل کی، اور سندھ کے تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔

استجابتِ دُعاء

کہتے ہیں کہ جب جام تماچی سندھ کے تختِ حکومت پر بیٹھا تو وہ حضرت شیخ حماد جمالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک کثیر رقم بطور نذر لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تاج و تخت حضور ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے، میں پھر بھی آپ کے لطف و کرم کا طالب ہوں، میرے لئے دُعا فرمایئے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے، حضرت شیخ نے فرمایا یہ رقم جو تم لیکر آئے ہو میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک مسجد تعمیر کردو، اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین کو تقسیم کردو، تاکہ یہ زمین ہمیشہ اُن کے قبضہ میں رہے، غالباً یہ حضرت شیخ کی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لیکر کیچ تک زمین کا بڑا حصہ اولادِ تماچی کی ملکیت رہا۔

مسجد مکلی

حضرت شیخ حماد جمالی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد پر جام تماچی نے ایک مسجد آپ کی خانقاہ کے متصل تعمیر کرائی، یہی مسجد بعد میں مسجد مکلی کے نام سے مشہور ہوئی، اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ٹھٹھہ کے بالکل متصل ایک پہاڑی ہے جو تقریباً بارہ میل لمبی ہے، اس پہاڑی پر بہت سے اولیاء اللہ علماء وفضلاء، شعراء، مورخین، سلاطین اور یگانۂ روزگار، اہلِ کمال، مدفون ہیں، ٹھٹھہ کا یہ قبرستان اپنی عظمت اور تاریخ کے لحاظ سے نہایت اہمیت رکھتا ہے، حضرت حمادؒ ہی کے زمانے میں اس مسجد میں ایک اہلِ دل و صاحبِ حال دُرویش جو حرمین شریفین کی زیارت کیلئے جا رہے تھے۔

مقیم ہوئے، انھوں نے اس قبرستان میں غیر معمولی انوار و برکات محسوس کئے، ان انوار و برکات کو مشاہدہ کرکے بار بار یہ بزرگ کہتے تھے کہ ہذا مکۃ لی (یہی میرے لئے مکہ ہے) حضرت شیخ حماد جمالیؒ کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپؒ نے سب سے پہلے اس مسجد کو "مسجد مکلی" سے موسوم کیا۔ اس وقت سے اس پہاڑی کا نام بھی مکلی پڑ گیا، اُس وقت بھی یہ مسجد نہایت خستہ حالت میں موجود ہے۔

وضع و قطع

حضرت شیخ حماد جمالی رحمۃ اللہ علیہ وضع و قطع بالکل سادہ رکھتے تھے۔ مقالات الشعراء میں ہے۔

"وضع شیخ سر و پا برہنہ، پارۂ تمد ستر پوش و بوریائے فرشش بود۔"

غالباً آپؒ نے اپنے ہی حال کا اظہار اپنے ان اشعار میں فرمایا ہے۔

دو گزک بوریا و پوستگی، دلکی پُر ز درد دو سنگی،
ایں قدر بس بود جمالی را عاشقی رند و لاابالی را

بزرگی

حضرت شیخ حماد جمالی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و ورع اور بزرگی کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنکے تمام تذکرہ نگاروں نے اُنکے عرفان و تصوف، تقدس و تقویٰ کا نہایت اہتمام سے ذکر کیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے ان کے حالات کو اس القاب سے شروع کیا ہے۔

"آں صاحبِ کشف و کرامت، و آں جلیل القدر عالی مرتبت، سر خیل مبارزانِ طریقت، سر دفتر عارفانِ حقیقت، خداوندِ خصائلِ مرضیہ جامع کمالاتِ علمیہ و عملیہ، محرم خلوت خانۂ قدس، باریافتہ مجلس انس، سرمستِ جام وحدت، غریق در دریائے معرفت، محبوب ذوالجلال شیخ حماد بن شیخ رشید الدین جمالی۔"

آگے چلکر اُن کے سلوک و کرامت و فیض رسانی کا اعتراف کرتے ہوئے صاحب حدیقۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ

"خورشید فیضانِ الٰہی، و مکاشفۂ غیر متناہی بنوعی بکاشانہ وے پرتو انداخت کہ جمیع اسرار عام ملک و ملکوت بروے مکشوف شاخت، تا آنکہ ہر روز صد تلامیذ دانش اندوز از مجلس آں شمع دل افروز اقتباس انوار مسائل علوم می نمودند، و بذریعہ آں تشبث اذیالِ مطالب و مقاصد دین و دنیا حاصل کردندے"

شیخ محمد اعظم ٹھٹھوی نے اپنی مشہور تالیف تحفتہ الطاہرین میں شیخ حماد جمالی کے تذکرہ کو ان القاب سے شروع کیا ہے۔

"آں کشافِ غوامض حقیقت، دانائے رموزِ معرفت، غواص بحر تحقیق، فارسِ مضمار توفیق، عالمِ حقائق شریعت، شعلہ دار شبستان طریقت، محبوب ذو الجلال، یعنی شیخ جمال بن شیخ رشید الدین جمال علیہ الرحمۃ۔

مزار

حضرت شیخ حماد جمالی رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ نہایت خستہ حالت میں مکلی میں جام نندا کے مقبرے کے قریب اور مسجد مکلی کے برابر موجود ہے۔

حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

ابتدائی حالات

حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ کے اولیاء میں ایک بڑے عالی مرتبت بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کی والدہ حضرت پیر مراد کی بیوی کی خادمہ تھیں اور چونکہ ان کو اپنی والدہ کی وجہ سے حضرت پیر مراد کے یہاں تربیت پانے کا موقع ملا، اس لئے ابتداہی سے آپ میں بزرگی اور ولایت کے آثار ہویدا تھے۔

توجہ شیخ

تذکرۃ المراد میں ہے کہ ایک روز حضرت سید مراد قدس سرہ، وضو فرما رہے تھے، آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی، حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ کو پینے کیلئے دیا۔ پانی

کا پینا ہی تھا کہ آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور اسی دم آپ ولایت کے درجے پر فائز ہو کر اولیاء اللہ کے زمرے میں شمار ہونے لگے۔

استغناء

فقیری و درویشی کا امتیازی وصف ماسوا اللہ سے استغناء و بے نیازی ہے۔
حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہ وصف بدرجۂ اتم موجود تھا۔
آپ کے زمانے کے بادشاہ شاہ حسین ارغون نے کئی مرتبہ آپ سے ملاقات کی تمنا ظاہر کی مگر آپ نے ہمیشہ انکار کر دیا۔
کہا جاتا ہے کہ آپ کے خادموں سے ایک خادم کیمیا جانتا تھا، اسے جب آپ کی تنگدستی کا علم ہوا تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو کیمیا بنانے کا نسخہ بتایا کہ آپ کا ہاتھ فراخ ہو۔ چند دن کے بعد یہی خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ شیخ کے گھر میں سابق کی طرح وہی تنگدستی و افلاس ہے یہ دیکھکر اُسے افسوس ہوا اور اس نے حضرت شیخ حسینؒ سے عرض کیا کہ جو چیز میں نے آپ کو سکھائی تھی، اُسکا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تنگدستی دُور ہو، لیکن آپ نے اسکی طرف توجہ نہیں فرمائی؛ حضرت شیخ نے فرمایا، جاؤ ہمارے کسی بیت الخلاء میں جاؤ اور تماشا دیکھو، وہ ایک بیت الخلاء میں گیا، وہاں اس نے دیکھا کہ سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ جب وہ وہاں سے لوٹا تو حضرت شیخ نے فرمایا، اے بے خبر تم نے دیکھا کہ دنیا مردانِ خدا کی نظر میں کس قدر ذلیل و خوار ہے۔ وہ چیز جسکو تم اپنے دل میں جگہ دیئے ہوئے ہو، ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر بیت الخلاء کے سُپرد کر دیا ہے۔

سرفرازی

مشہور ہے کہ حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ شیخ قطب الاقطاب، پیر مُراد کی جناب میں منصب "عرض بیگی" سے سرفراز تھے اور اہل حاجت کی حاجت روائی سے ممتاز تھے۔

تصنیف

حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ مراد کی سوانح

خیات تذکرۃ المراد کے نام سے مرتب کی۔

وفات

حضرت شیخ حسین صفائی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۳۱ھ میں وفات پائی، ھُوَ خَیْرُ الْبَقَاءِ سے آپ کا سنہ وفات نکلتا ہے اور حضرت پیر مراد کے مزار مبارک کے پائنتی مدفون ہوئے۔

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

خاندان

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سید جلال کے صاحبزادے حضرت میاں سید علی کلاں کے پوتے تھے، مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، آپ بچپن ہی سے تقویٰ اور پرہیزگاری کی طرف مائل تھے، خاندانی ماحول اور اقتضاءِ طبیعت نے آپ کو نیکی اور اتقا کے ڈگر پر ڈال دیا تھا، ابتداءً آپ نے ایک بزرگ درویش راجڑ سے تزکیہ نفس اور تربیت روحانی حاصل کی، ان کے بعد آپ نے اس عہد کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم نوح ہالائی سے بیعت کی اور مقام فنا فی اللہ سے گذر کر مقام بقا باللہ میں واصل ہوئے۔

مدینہ طیبہ میں حاضری

مشہور ہے کہ جب حضرت میاں سید علی ثانی شیرازیؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے، مدینہ منورہ کے بعض شرفا نے آپ کے سید ہونے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ سید اس قدر سبز فام نہیں ہوتے، آپ حجرہ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا یا جدّی (اے میرے دادا) روضۂ مبارک کے اندر سے آواز آئی لبیک یا ولدی (اے میرے بیٹے میں موجود ہوں) یہ سُن کر لوگ حیران ہو گئے اور جن لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تھا۔ انھوں نے آپ کے قدموں پر گر کر آپ سے گستاخی کی معافی چاہی۔

سخاوت وفیاضی

سخاوت و فیاضی وجود و بخشش میں حضرت میاں سید علیؒ کا ہاتھ بہت کشادہ تھا۔

کوئی حاجت مند آپ کے دروازے سے ناکام نہ جاتا تھا۔

رشد و ہدایت

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں نے رہنمائی حاصل کی اور آپ کا زیادہ وقت اعلائے کلمۃ الحق میں صرف ہوتا تھا۔

تصانیف

حضرت میاں سید علی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں رسالہ آداب المریدین کو خاص شہرت حاصل ہے، یہ رسالہ آپ نے چونسٹھ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا تھا اور ۹۵۵ھ میں اسکی تکمیل ہوئی۔ اسکے علاوہ حضرت سید علی ثانی فارسی، عربی اور سندھی کے بہت بڑے عالم اور ادیب تھے، معارف الانوار کے مصنف نے آپ کی سندھی کے دوہے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، ان کے دوہوں کو سندھی ادب کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

شہنشاہ ہمایوں کی عقیدت

ترخان نامہ میں ہے کہ جب ہمایوں عمر کوٹ پہنچا تو ٹھٹھہ کے لوگوں کی طرف سے حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی جو اس وقت شیخ الاسلام تھے۔ ہمایوں کے پاس آئے اور انہوں نے اس کے سامنے تحفتاً مختلف قسم کے عطر اور میوے پیش کئے۔ اسی زمانے میں رجب شب یکشنبہ ۹۴۹ھ میں اکبر کی ولادت ہوئی ہمایوں نے تبرکاً حضرت سید علی شیرازی کے پیراہن سے کپڑا لیکر اکبر کا پہلا لباس تیار کرایا۔

وفات

حضرت میاں سید علی ثانی شیرازی نے ۹۸۱ھ میں وفات پائی، آپ کا مزار مکلی میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

اولاد

حضرت میاں سید علی کے فرزندوں میں جلال ثانی خاص طور پر مشہور ہیں۔ - بقیہ

اپنے بزرگوں کی طرح پُر وقار زندگی بسر کرتے تھے، اور اپنے والد اور دادا کے سجادہ نشین ہوئے، مرزا باقی ترخان کے بھائی مرزا صالح نے اپنی لڑکی کی شادی آپؒ سے کی تھی، اور اسی نسبت سے اس نے آپؒ کو اکبر بادشاہ کے حضور میں بھجوایا تھا۔

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت جلال ثانی کا پایہ بہت بلند ہے، میر معصوم نے اپنی مشہور تاریخ معصومی میں لکھا ہے کہ

"سید جلال الدین محمد نیز بزیورِ ورع و کمال آراستہ و قدم بسجادۂ پدر بزرگوار نہادہ و در جمیع علوم یگانۂ زماں و وحیدِ عصر و اوانِ بودند، بمتانت و لطافت ذہن بے نظیر، و در کمال مردمی و مروت باوجود قلت ادرارے کہ داشتند زیادہ از پدر مردم بہرہ مندمی شدند، تشرع سید جلال زیادہ از پدر است"۔

حضرت جلال الدین ثانی کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے سید میر محمد اُن کے جانشین ہوئے، ترخانی دور کی مشہور تاریخ "ترخان نامہ" سید میر محمد ہی کی تالیف ہے۔

حضرت پیر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

حالات

حضرت پیر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے اکابر صوفیا میں تھے۔ صاحب تحفۃ الطاہرین کا بیان ہے کہ یہ سمہ دور حکومت میں جام فیروز کی فرماں روائی کے زمانے میں شیر پر سوار ہو کر ہندوستان سے سندھ تشریف لائے۔ جام فیروز کو معلوم ہوا تو اس نے مطلقاً آپؒ کی پذیرائی نہیں کی، بلکہ اپنے ہم نشینوں سے استہزاءً کہا کہ شیر پر سوار ہو کر آنا کونسا کمال ہے، اسطرح تو مداری بھی ریچھ اور بندر کو سدھا کر رام کر لیتے ہیں، اگر کسی نے شیر کو اپنا تابع بنالیا کون سا تیر مارا، جام فیروز کی یہ باتیں، جب آپؒ تک پہنچیں تو آپؒ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اُس سے کہدو کہ وہ وقت دُور نہیں کہ جب اُس کا آفتاب دولت زوال پذیر ہوگا اور اس کا ایوانِ مملکت زمین پر آرہے گا، حضرت پیر صلاح الدینؒ کی اس پیشین گوئی کے چند دن بعد ہی جام فیروز کی سلطنت زوال پذیر ہوئی۔

Scanned with CamScanner

وفات

حضرت پیر صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۰۵ھ ہی میں وفات پائی، اور محلہ بھائیجان میں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ عیسیٰ لنگوٹی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰۰ھ

ابتدائی حالات

حضرت شیخ عیسیٰ لنگوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا نام شیخ عیسیٰ، آپ کا اصل وطن برہان پور تھا، آپ نے برہان پور سے سندھ آنے کے بعد موضع ساموئی میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں ارشاد و ہدایت کا ایک مدرسہ قائم کیا، اس پرچشمۂ علم سے سینکڑوں طالب علموں نے علمی و روحانی فیض حاصل کیا، اسی مدرسے کے طالب علم علامہ نعمت اللہ عباسی بھی تھے۔ اسی درگاہ میں آپ کی ملاقات حضرت پیر مراد کے دادا سید محمد سے ہوئی اور آپ نے حضرت پیر مراد کی ولادت کی پیشین گوئی فرمائی، پیشگوئی کے مطابق پیر مراد کی ولادت کے بعد آپ ان کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور اُن سے مُرید ہوئے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ مُرید ہونے کے تین دن بعد حضرت شیخ عیسیٰ نے وفات پائی۔

ہمعصروں سے ملاقاتیں

حضرت شیخ عیسیٰ لنگوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اُس وقت کے مشہور بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت حضرت حماد جمالی قدس سرہٗ سے رہتی تھی اور دونوں ایک دوسرے کی انتہائی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔

شیخ جمالی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ عیسیٰ لنگوٹی وہ شخص ہیں کہ انکی ٹوپی کے افتخار کا طرہ عرش کو چھوتا ہے۔

شاعری

حضرت شیخ عیسیٰ لنگوٹی رحمۃ اللہ علیہ کو شاعری سے بھی ذوق تھا، کبھی کبھی شعر کہتے، صاحب مقالات الشعراء نے آپ کے دو شعر نقل کئے ہیں جو آپ نے حضرت شیخ حماد جمالیؒ کے اشعار کے جواب میں کہے تھے۔

قید باشد حکیم در رہ دوست گر تو آزادہ بس است ترا	ہو گزک بوریاد پوستگی دل کی پرنز درد دوستگی

وفات

حضرت شیخ عیسیٰ لنگوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۳۱ھ میں وفات پائی، آپؒ کا مزار مکلی میں حضرت پیر مرادؒ اور حضرت سید علیؒ کے قبرستان کے عقب میں آج بھی نہایت زبوں حالت میں موجود ہے۔

قطب الاقطاب حضرت سید محمد حسین پیر مرادؒ ٹھٹھہ

نام

حضرت پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد حسین، لقب سید مراد ہے۔ آپؒ کے والد کا نام سید احمد ہے۔

نسب

حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب بیسویں پشت میں حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے جا ملتا ہے۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سید محمد حسین بن سید احمد بن سید محمد شیرازی بن سید محمود بن سید محمد بن شاہ محمود بن سید ابراہیم بن سید قاسم بن سید زید بن سید جعفری بن شاہ حمزہ بن شاہ ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید علی جعفر بن سید محمد بن سید علی نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظمؒ۔

خاندان

سب سے پہلے حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا سید محمد حسینی سلطان مبارز الدین بن مظفر الدین (۷۱۳ھ ۷۶۵ھ) کے زمانے میں شیراز سے سندھ آئے۔ سید محمد کا ابتدائی ورود سیون میں ہوا اور آپؒ وہاں حضرت قلندر شہباز کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

ولادت

حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۳۱ ھ میں ہوئی۔ آپؒ کی بزرگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپؒ کی پیدائش سے پہلے سندھ کے مشہور بزرگ پیر گر گنجؒ، شیخ عیسٰی لنگوٹیؒ اور بعض دوسرے اولیاء اللہ نے آپؒ کی پیدائش کی خوشخبری دی اور آپؒ سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔

مشہور ہے کہ جب حضرت پیر مراد پیدا ہوئے تو آپ آنکھ نہیں کھولتے تھے حضرت شیخ عیسٰی لنگوٹیؒ کو خبر ہوئی، وہ آپؒ کے گھر تشریف لائے اور آپؒ کو دیکھا، آپؒ کے دیکھتے ہی حضرت پیر مراد نے فوراً آنکھیں کھولدیں، لوگوں نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ فرمایا، بات یہ ہے کہ میں ایک مدت سے ان کی مریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج مرید نے اپنی مراد کو پا لیا۔

تبلیغ دین

حضرت سید پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو آپؒ نے بزرگو کے طریقے کے مطابق بیعت لینی شروع کی۔ آپؒ کی بزرگی، نیکی اور عبادت کو دیکھ کر دور دور سے لوگ آکر آپؒ سے مرید ہونے تھے، یہاں تک کہ حضرت پیر مراد کی پرہیزگاری عبادت گزاری اور دینداری کے چرچے دوسرے شہروں میں پھیلے۔ اُس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت شیخ صدر الدین جو کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے تھے۔ جب اُن کو خبر ہوئی کہ ٹھٹھہ میں ایک بزرگ پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی بزرگی کی شہرت سارے سندھ میں پھیلی ہوئی ہے، تو آپ نے اپنا ایک خادم حضرت پیر مراد کو طلب کرنے کیلئے بھیجا اور اس کے ساتھ دودھ سے منہ تک بھرا ہوا ایک پیالہ بھی روانہ فرمایا۔ شیخ صدر الدین کا مطلب اس دودھ کے بھرے ہوئے پیالے کے بھیجنے سے یہ تھا۔ کہ جس طرح کہ یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس میں کوئی اور دوسری چیز نہیں سما سکتی، اسی طرح سندھ میں بھی ہمارے سلسلے کے سوا دوسرے کسی سلسلہ کی گنجائش نہیں۔ آپؒ کا خادم دودھ کا پیالہ لیکر ملتان سے ٹھٹھہ اس حال میں پہنچا کہ پیالے میں جو دودھ تھا وہ اسی حالت میں تھا اور اس میں ذرا بھی تغیر نہیں ہوا تھا اور نہ

اُس میں سے ایک قطرہ گرا تھا۔ جب یہ خادم حضرت پیر مُراد کی خدمت میں پہنچا تو اُس نے حضرت شیخ صدر الدین کا پیغام پہنچا کر دودھ کا وہ پیالہ بھی پیش کیا۔ حضرت پیر مُراد نے اپنی جانماز کے نیچے سے چند کلیاں نکال کر اُس پیالے میں ڈال دیں اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔ اس سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ جسطرح اس پیالہ میں ان کلیوں کی گنجائش اب بھی ہے اسی طرح اس ملک میں ہمارے سلسلے کیلئے بھی جگہ خالی ہے پھر فرمایا کہ شیخ صدر الدین سے عرض کر دینا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں اور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ روزانہ بلا ناغہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرورتاً کبھی کبھی آپ کے پاس تشریف لے جاتے تھے، اس لئے بجائے میرے آپ کا یہاں تشریف لانا مناسب ہے۔ خادم یہ جواب سُن کر ملتان واپس ہوا اور جو جواب حضرت پیر مرادؒ نے دیا تھا۔ بجنسہٖ حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں عرض کر دیا۔ اسی کے ساتھ وہ پیالہ بھی پیش کیا جس میں حضرت پیر مراد نے چند کلیاں ڈال دی تھیں، شیخ صدر الدین نے دیکھا کہ اتنی طویل مدت طے کرنے کے بعد بھی وہ کلیاں تر و تازہ تھیں اور ذرا بھی نہ مرجھائی تھیں۔ پیر مراد کی اس کرامت کو دیکھ کر حضرت شیخ صدر الدین بہت متاثر ہوئے اور آپؒ حضرت پیر مراد کی ملاقات کیلئے ملتان سے فوراً ٹھٹھہ تشریف لائے اور آپ سے نہایت خلوص و محبت سے ملے۔

مراد کا لقب

تذکرہ نویسوں نے حضرت پیر مرادؒ کے لقب مراد کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدر الدین اور حضرت پیر مرادؒ نماز جمعہ کے ادا کرنے کیلئے ٹھٹھہ کی مشہور مسجد کلاں میں جو مسجد ولی نعمت کے نام سے موسوم ہے، تشریف لے گئے، راستے میں ایک مری ہوئی بلی پڑی تھی، شیخ صدر الدین نے اِس بلی کو دیکھ کر قُم باذنِ اللہ یعنی اللہ کے حکم سے کھڑی ہو جا کہا۔ وہ اسی وقت کھڑی ہو گئی، حضرت پیر مرادؒ نے شیخ صدر الدین کی اس کرامت کو دیکھا اور خاموش رہے، یہاں تک کہ دونوں کے دونوں مسجد میں تشریف لائے۔ اتفاقاً اُس دن کسی وجہ سے امام صاحب نہ آسکے، دیر تک

لوگ اُن کا انتظار کرتے رہے، جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا، حضرت پیر مراد نے اپنے خادم سے کہا جاؤ اور راستے میں جو بھی ملے اُسے لے آؤ۔ خادم گیا، مسجد سے نکلتے ہی اُس کی نظر سب سے پہلے ایک بوڑھے برہمن پر پڑی۔ خادم نے اُس سے کہا کہ تمہیں قطب زمان حضرت پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ بلا رہے ہیں۔ برہمن فوراً ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت پیر مراد جو ہمیشہ چہرہ پر نقاب ڈالے رکھتے تھے آپ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور اُس برہمن کی طرف ایک نظر ڈالی، نظر کا پڑنا ہی تھا کہ برہمن نے اسی وقت اپنے جنیو کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔ خطبہ اور نماز جمعہ کے ادا کرنے کے بعد اسی برہمن نے منبر پر کھڑے ہو کر بسم اللہ کے چودہ طریقے پر معانی اور مطالب بیان کئے، اُس وقت حضرت پیر مراد نے حضرت شیخ صدرالدین سے فرمایا۔ دیکھئے مُردوں کو زندہ کرنا بدعت ہے، لیکن دلوں کو زندہ کرنا اور نور ایمان سے منور کرنا بزرگوں کی سنت ہے۔ شیخ صدرالدین نے کہا بیشک آپ ہمارے مشائخ کی مراد ہیں اور آپ سے مُرادیں حاصل ہونگی، اُسی وقت سے "پیر مراد" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مسجد صفہ کی تعمیر

ٹھٹھہ میں سمہ خاندان کے چوبیسویں بادشاہ جام نظام الدین کے دیوان لکھی مل کا بُت خانہ ایک تھا۔ حضرت سید پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کو مسجد بنانا چاہا۔ لکھی مل نے آپ کی مخالفت شروع کی اور جام نظام الدین کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ پیر مراد میرے بُت خانے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ جام نظام الدین نے اُس کے استغاثے کی بناء پر سخت غصہ میں آکر اپنے بھانجے جام مبارک کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو مسجد بنانے سے روک دے۔ جام مبارک جیسے ہی آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ کی ایک نظر اس پر پڑتے ہی اس کے خیالات کی دنیا بدل گئی۔ اور وہ آپ کے مریدوں میں شامل ہو کر فقراء ہی میں داخل ہو گیا۔ جام نظام الدین کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک مصاحب شیخ ننتھر کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو اس سے باز رکھے۔ شیخ ننتھر بھی آپ کی خدمت میں پہنچتے ہی آپ کے زمرۂ عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا۔ جام نظام الدین یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو وہاں جاتا

ہے آپ کا ہو جانا ہے اب کی مرتبہ اُس نے اپنے دوسرے مصاحب شیخ مالہ کو روانہ کیا، لیکن وہ بھی آپ کے مُریدوں میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد جام نظام الدین سمجھ گیا کہ آپ کی مخالفت فضول ہے۔ وہ خود عقیدتمندانہ حاضر ہوا اور اپنی غلطی کی معافی چاہی اور تعمیر مسجد میں آپ کو ہر طرح کی مدد بہم پہنچائی۔

تبلیغی کوششوں کے ثمرات

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ تقریباً بارہ ہزار آدمی حضرت سید پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور فسق و فجور سے تائب ہوئے۔ ان میں سے تقریباً پانچسو افراد ایسے تھے، جو درجۂ ولایت پر فائز ہوئے۔

وفات

حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ ۸۹۳ھ میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ کا مزار ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

نماز جنازہ

حضرت سید پیر مراد کی نماز جنازہ سندھ کے فرمانروا جام نظام الدین نے پڑھائی دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی نماز جنازہ کی جام نظام الدین کے صاحبزادے سید منصور نے امامت کی اور اپنے والد کی پائنتی دفن کئے گئے۔

خلفاء

حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سید علی کلاں شیرازی جو .... آپ کے حقیقی بڑے بھائی بھی تھے، سید جلال بن سید علی کلاں شیخ الیسہ (جام مارک)، شیخ حاجی محمد حسین صفائی، شیخ احمد خاں ماہیو، شیخ مالہ شیخ ننھڑ اور شیخ عیسیٰ لنگوٹی مشہور ہیں۔

فضائل

حضرت سید محمد حسین پیر مراد رحمۃ اللہ علیہ کے محامد و اوصاف کو سید عبد القادر

Scanned with CamScanner

بن ہاشم حسینی صاحب حدیقۃ الاولیاء نے ایک نظم میں منظوم کیا ہے جس کے چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

ملک سیرت آں پیر سیّد مراد
خجستہ لقا و مبارک نہاد

فروزاں چراغی ز آلِ رسول
گل گلشن مرتضا و بتول،

سرا پردہ قرب حق منزلش
محلِ فیوضاتِ غیبی دلش

سر حلقۂ جمع قدسیاں،
شناسائی اسرارِ روحانیاں

انیس سرا پردہ وجد و حال
جلیسِ دربار گاہِ وصال

خمخانۂ شوق سرمست بود
زخود نیست با حق ہمہ ہست بود

غریقی خزد رفتہ دریائی عشق
حریقی شرار تجلائی عشق،

حقائق شناسی مقالات بود
خداوند کشف و کرامات بود

بسی طالبان راز فیضِ نظر
شدہ جانبِ وصل حق راہ بہر

بسی رہ بارشاد تلقین نمود
سوی مقصد دیں رہش برکشود

زہی آستانش مسرت فزا
زمرآتِ دل زنگ غفلت زدا

مزار شریفش کہ در مکلی است
زمرآتِ دل زنگ غم منجلی است

نزای سرائش فرح بخش روح
صفائی درش مایۂ صد فتوح

بخاکِ مزارش جو کحل دالبصر
فزائیدہ روشنی در نظر

زار باب حاجت ہزاراں ہزار
رسد در مزارش بلبل و نہار

کشد ہر کسی در خود اعتقاد
در آغوشش وصلت عروس مراد

کسی کو بپا لی درش سر نہد
گل کام دل را ببر بر نہد

در آستانش کہ بس دلکشا است
کلید کشادہ کارہا است

خدایا بریں خاک پاک مزار
سحاب زبارانِ رحمت ببار

بریں مستمند دل آوارہ
زفیض عمیمش رساں بہرہ

—✻—

حضرت شاہ مسکین رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام و حالات

حضرت شاہ مسکین رحمۃ اللہ علیہ کا اسم مبارک شاہ مسکین تھا، ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے، آپ کا شمار ٹھٹھہ کے اولیائے کبار میں ہوتا ہے۔ صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کے مراتب عالیہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"آن شہباز فضائی لاہوت، یکہ تازاں میداں جبروت امر دفتر اولیاء کبار، سالار قوافل ابرار صاحب مناقب علیہ، مظہر کرامات جلیہ، گل دستۂ بوستانِ اصطفا، گل سر سبد حدیقۂ ارتقاء، شہسوار مضمار معرفت و یقین یعنی سید شاہ مسکین علیہ الرحمۃ"۔

علوئے مرتبت

حضرت سید شاہ مسکین کے متعلق ٹھٹھہ کے مشہور صوفی درویش میاں ابو القاسم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ٹھٹھہ کے قبرستان میں جتنے اولیاء اللہ آرام فرما ہیں، اُن میں جو شان سید شاہ مسکین کی ہے کوئی دوسرا اُن کی ہمسری نہیں کرتا۔

عبادات

حضرت شاہ مسکین رحمۃ اللہ علیہ عبادات میں ذکر الہٰی، وظائف اور درود کو بیحد پسند کرتے تھے، آپ کا تمام وقت انہیں عبادات میں صرف ہوتا تھا۔ خود بھی کثرت سے بجناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے تھے، اور درود بھیجنے والے کو بیحد عزیز رکھتے تھے۔

رشد و ہدایت

حضرت شاہ مسکین صاحب سے بہت سے لوگوں نے تزکیہ باطن اور تربیت روحانی حاصل کی، اُن میں سے خاکی شاہ بہت مشہور ہیں۔ خاکی شاہ کی عمر کا بڑا حصہ

آپ کی خدمت اور ارادت میں گذرا۔

شہادت

سنہ ۹۶۳ھ میں مرزا عیسیٰ ترخان کے عہد میں پرتگیزیوں کی اُس یلغار میں جو انہوں نے ٹھٹھہ پر کی تھی، حضرت سیّد شاہ مسکین رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت پائی۔ آپ کا مزار محلہ غلّہ بازار ٹھٹھہ میں اپنے مرشد کے متصل واقع ہے۔

حضرت شیخ مغل چاچک رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ!

حالات

حضرت شیخ مغل چاچک رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے ممتاز ترین صوفیا میں تھے۔ سیّد عبدالقادر حسینی صاحب حدیقۃ الاولیاء نے اُنکے محامد و مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ولے از جملہ اولیائے اہلِ دل و عارف کامل بودہ سرخیل مرتاضاں وزہدان و سر دفتر متعبدان و مجاہداں گشتہ ہموارہ ہمیشہ پاس جواہر انفاس نفسیہ و نفی داشت۔"

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی اپنی مشہور کتاب تحفۃ الکرام میں اُنکے متعلق لکھتے ہیں۔

"شیخ مغل چاچک از اجل اولیائے اہل دل در کرامت و کشف کامل بودہ۔"

صاحب تحفۃ الطاہرین نے آپ کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی ہے۔

"ولے صاحب وجد و حالات و مظہر کشف و کرامات بود۔"

حضرت شیخ مغل چاچک رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداہی سے عبادت کا بیحد شوق و ذوق تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دن اور رات کو ذکرِ الٰہی سے منور رکھتے تھے۔ رات کو کثرت عبادت کی وجہ سے مطلقاً نہ سوتے تھے۔

مرزا شاہ حسن ارغون نے اپنے زمانۂ حکومت میں نصر پور کے ایک رئیس کو قید کرو یا۔ اس رئیس کے اعزہ و اقربا حضرت شیخ مغل چاچک سے بیحد عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ لیکن اس مصیبت کے موقع پر وہ شیخ برکیہ کاتیار کے پاس رجوع ہو کر خواستگار دعا ہوئے۔ حضرت شیخ برکیہ کاتیار نے ان سے کہا کہ وہ ایک گائے لیکر آئیں۔ یہ لوگ اپنے گاؤں واپس ہوئے اور گائے لیکر چلے۔ ان کے راستے میں قوم

ناہیاں کا ایک تالاب پڑتا تھا جس کے متصل ایک سبزہ زار تھا، حضرت شیخ مغل ہمیشہ اس تالاب میں غسل کرتے اس سبزہ زار میں عبادت و اوراد و وظائف میں دن کا بڑا حصہ گزارتے تھے۔ جس وقت یہ لوگ گائے لیکر اس تالاب کے پاس سے گزرے تو اس وقت آپؒ اُس سبزہ زار میں موجود تھے۔ آپؒ نے ان لوگوں کو گذرتے ہوئے دیکھا تو اپنے خادم سے فرمایا کہ اُن سے پوچھے کہ یہ کس کام کیلئے جارہے ہیں۔ ان لوگوں نے کوئی معقول جواب نہ دیا۔

حضرت شیخ مغلؒ کو اُن کا طرز عمل ناگوار گزرا اور آپؒ خاموش ہو گئے، جب یہ لوگ گائے لیکر شیخ برکیہ کاتیار کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا۔ افسوس ہے کہ تمہارا گائے کا لانا بالکل بیکار ثابت ہوا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ میں نے جو عمل کیا تھا، حضرت شیخ مغل نے اس کو رد کر دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنی گائے کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ اسی روز مرزا شاہ حسن نے اس رئیس کو قتل کرا دیا۔

وفات

حضرت شیخ مغل چاچک نے ٹھٹھہ میں وفات پائی اور آپؒ کا مزار مبارک ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اولاد

حضرت شیخ مغل چاچک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ موسیٰ مسند آرائے زہد و اتقا ہوئے۔ شیخ موسیٰ اپنی بزرگی و تقویٰ کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی میں بھی خاص شہرت رکھتے تھے۔

حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

خاندان

حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد یوسف رضوی تھا۔ آپؒ کے والد میر محمد جادم تھے۔ جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپؒ کے آباء و اجداد بھکر کے سادات رضوی سے تھے۔ یہ خاندان شرافت، جلالت میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔

بیعت

صاحب تحفتہ الکرام کا بیان ہے کہ میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب سید شاہ مبارک سے فیض تربیت روحانی حاصل کیا تھا۔ جو شیخ دانیال کے خاص مریدوں میں تھے اور شیخ دانیال سید محمد جونپوری کے خلفاء اور مریدوں میں تھے۔

ٹھٹھہ تشریف آوری

حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا دل انوار الٰہی سے روشن ہو گیا تو آپ نے بھکر کی سکونت ترک کر کے ٹھٹھہ کو اپنا مسکن بنایا، اور عبادت و ریاضت کیلئے مکلی میں اس جگہ کا انتخاب کیا، جہاں سید محمد مہدی میراں جونپوری اقامت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کے وقت کا زیادہ حصہ اسی جگہ یاد الٰہی میں گزرتا تھا اور اس درجہ صاحب تجلیات و مظہرِ کرامات تھے کہ ہر شخص آپ کی بزرگی اور ولایت کا معترف تھا۔

بزرگوں کا اعتراف

حقائق و معارف آگاہ سید عبدالکریم متوطن بلڑی نے حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی و ولایت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب وطن درویش بلڑی تشریف لائے اور ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ میں ہر روز صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے ٹھٹھہ کے اولیاء اللہ کے متعلق جو اُس وقت موجود تھے۔ مجھ سے پوچھا، میں نے ہر ایک کے متعلق مختصر طور پر جو کچھ جانتا تھا۔ ان کو بتایا۔ وہ خاموشی سے سب کے حالات سُنتے رہے۔ جب میں کہہ چکا تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت تک تم نے جن بزرگوں کے حالات مجھ سے بیان کئے ہیں۔ مجھے اُن میں سب سے بڑھ کر ولایت و مدارج میں سید محمد یوسف نظر آتے ہیں۔ دوسرے دن حسب معمول میں جب صبح کی نماز کے بعد اُن کی خدمت میں گیا تو وہ درویش موجود نہ تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ وہ غالباً ٹھٹھہ حضرت سید محمد یوسفؒ کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ میں بھی ٹھٹھہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ حضرت سید محمد یوسفؒ کی خدمت میں نہایت

ادب سے جوتوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں بھی خاموشی سے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد حضرت سید محمد یوسفؒ نے اپنے جوتے تبرکاً درویش کو دیئے۔ درویش نے نہایت خوش ہو کر اس عطیہ کو قبول کیا اور آپؒ سے رخصت کی اجازت چاہی اور مجھ سے فرمایا کہ ان جوتوں سے میرے لئے ایک ٹوپی بنوا دو۔ میں نے فوراً ہی اُن کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور ان کیلئے ایک ٹوپی تیار کرائی۔ انھوں نے اس کو سر پر رکھ لیا اور خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

شاعری

حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن عشق حقیقی اُن کا سرمایۂ حیات تھا اور یہی جذبہ کبھی کبھی شعر کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ صاحب تکملۂ مقالات الشعراء ابراہیم خلیل ٹھٹھوی نے اُن کی ایک رباعی نقل کرتے ہوئے اپنے تذکرے میں لکھا ہے۔

والحمد للہ کہ بفقیر یک رباعی آنجناب مسرت بخش شدہ:۔ تحریر آن جواہر گوہر گوش شایقاں راز نیت بخشم۔ منہ:۔

ہر کہ توجہ بدرِ حق کند	توسن افلاک شود رام او
گر بجہاں جملہ شود دشمنش	کج نکنند موئے از اندام او

ازدواج و اولاد

حضرت محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے عباسی قاضیوں میں ایک شادی کی تھی، جس سے اولاد بھی ہوئی۔ اُن میں ایک صاحبزادی بھی تھیں جب یہ جوان ہوئیں تو حضرت سید محمد یوسفؒ نے اپنے بھتیجے سید اسحاق ولد میر کمال الدین کو بھکر سے بلا کر اُن سے شادی کر دی۔ سید اسحاق سے اُن کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام سید ابراہیم تھا۔

تربیت

ایک دفعہ سید ابراہیم نے بچپن میں اپنے نانا حضرت میر محمد یوسف رضوی رحمۃ اللہ

علیہ کے حجرے کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ آپؒ نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا، سید ابراہیم آپ نے فرمایا۔ بابا اگر تم فقیر یا صرف ابراہیم کہہ دیتے تو اس سے تمہاری شان میں کچھ کمی نہ ہوتی اور اب جو تم نے سید ابراہیم کہا ہے اس سے تمہارے مرتبے میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔

مدفن

حضرت میر محمد یوسف رضویؒ کا مزار مبارک مکلی میں ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام ونسب

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی محمد معین، آپؒ کے والد محترم کا نام محمد امین اور آپؒ کے دادا کا نام شیخ طالب اللہ تھا۔ آپؒ کی والدہ محترمہ فاضل خاں میر منشی کی صاحب زادی تھیں۔ آپؒ کا تعلق قوم لاکھا ول سے تھا جو سندھ کی ایک مشہور قوم ہے۔

وطن

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد سندھ کے ایک موضع "والی" کے رہنے والے تھے، لیکن آپؒ کے والد کسی وجہ سے ترک وطن کر کے ٹھٹھہ میں آباد ہوئے۔ یہیں فاضل خاں میر منشی نے اس عقیدت کی بناء پر جو اس کو مخدوم محمد معین کے دادا سے تھی، اپنی صاحبزادی کا عقد مخدوم محمد امین سے کیا۔ ٹھٹھہ ہی میں مخدوم محمد معین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

تعلیم

ٹھٹھہ اس زمانے میں علوم و فنون کا گہوارہ اور جلیل القدر علماء کا مرکز تھا مخدوم محمد معین رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداً اپنے والد ماجد محمد امین سے تعلیم و تربیت حاصل کی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے، پھر آپؒ کے مشہور

اساتذہ میں شاہ عنایت اللہ تھے۔ جن سے آپؒ نے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی، شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم آپؒ نے علی رضا درویش سے اس وقت پڑھی، جب وہ ٹھٹھہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ حدیث کی تعلیم آپؒ نے ٹھٹھہ کے مشہور عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی سے حاصل کی۔ حضرت محمد معینؒ نے اپنی تصنیف دراسات اللبیب میں اپنے اساتذہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبد القادر صدیقی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ جن سے حضرت مخدوم محمد معینؒ استفادہ کیا کرتے تھے، اُن میں شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی بھی مشہور ہیں۔

بیعت

حضرت محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم ظاہری میں کامل دستگاہ حاصل کرنے کے بعد سندھ کے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندیؒ سے بیعت کی جو شیخ سیف الدین سرہندی کے خلفاء میں تھے۔ شیخ سیف الدین سرہندی نے اپنے والد شیخ محمد معصوم نقشبندی سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی اور وہ اپنے والد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ حضرت مخدوم محمد معینؒ ایک طویل عرصہ تک اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسمؒ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم باطنی میں استفادہ کرتے رہے۔ اُن کی اپنی مشیوخ سے محبت و عقیدت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدت العمر اپنے آپؒ کو ان بزرگوں کا مُرید کہتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میں تو ان کے دروازے کا کتا ہوں۔

صوفی شاہ عنایت سے عقیدت

آخر میں حضرت مخدوم محمد معینؒ وحدت الوجود کے نظریہ سے متاثر ہو کر صوفی شاہ عنایت اللہ سے متعلق ہو گئے۔ آپؒ کے شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندیؒ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؒ نے ناراضی کا اظہار فرمایا۔ کچھ دن کے بعد حضرت مخدوم محمد معین جب اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہوئے تو شیخ نے ان کو معاف کر دیا۔ اس معافی کے چند دن بعد ہی حضرت مخدوم ابوالقاسم واصل الی اللہ ہوئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی سے عقیدت

حضرت مخدوم ابوالقاسمؒ کی وفات کے بعد وہ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے زمرۂ عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت مخدوم محمد معین رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبداللطیف سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے اور شاہ بھی اُن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ اکثر مخدوم معینؒ کی ملاقات کیلئے ٹھٹھہ تشریف لاتے۔ آپؒ کی تشریف آوری پر حال وقال اور سماع کی مجلسیں منعقد ہوتیں۔ حضرت مخدوم محمد معینؒ سے حضرت شاہ عبداللطیف کے تعلق خاطر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ حضرت مخدوم محمد معین کی وفات کے وقت ٹھٹھہ ہی میں موجود تھے۔

مدرسہ

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات علوم و فنون کا سرچشمہ تھی۔ ٹھٹھہ میں آپؒ کا ایک مدرسہ بھی تھا جس میں آپؒ مختلف علوم و فنون کی تعلیم دیتے۔ اور طالب علموں کے اخراجات خود برداشت فرماتے تھے، اس مدرسے کی بدولت سندھ میں علم و فضل کو کافی ترقی ہوئی۔ یہاں کے تعلیم و تربیت یافتہ طلباء ملک میں پھیلے۔ انہوں نے جا بجا درسگاہیں قائم کر کے علم کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ حضرت محمد معین کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزلت، مولوی محمد صادق، علامہ محدث محمد حیات سندھی، جعفر شیرازی شرف الدین علی اور میر مرتضیٰ سیوستانی مشہور ہیں۔

اہل ٹھٹھہ کی عقیدت

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ اُن کی خدمت میں امیر و غریب سب ہی آتے تھے۔ امراء و اہل دل کا اکثر جمگھٹا رہتا۔ اور وہ آپؒ کے آستانے کی حاضری کو اپنے لئے باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ ٹھٹھہ کا گورنر نواب مہابت خان جو اکثر آپؒ کی خدمت میں عقیدتاً حاضر ہوتا تھا اسی کی استدعا پر آپؒ نے ایک کتاب "حل اصطلاحات صوفیہ" کے نام سے لکھی تھی۔ اسی طرح جب نواب سیف اللہ خاں ٹھٹھہ کا گورنر ہوا وہ بھی آپؒ سے عقیدت اور ربط رکھتا

تھا۔

تصانیف

حضرت مخدوم محمد معین رحمۃ اللہ علیہ نے تصانیف کا ایک بیش بہا ذخیرہ چھوڑا اور وہ اپنی تصانیف کی وجہ سے بھی منبع فیوض و برکات بنے۔ ان کی تصانیف سے ان کے غیر معمولی تبحر، علم و فضل اور کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دراسات اللبیب کے مقدمے میں اُن کی حسبِ ذیل تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

(۱) رسالہ اویسیہ :- یہ رسالہ فارسی میں ہے جو مخدوم محمد معینؒ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک سوال پر جو آپؒ نے اُن سے اویسی سلسلہ کی تحقیق کے بارے میں کیا تھا لکھا ہے۔

(۲) شرح رموز عقائد رموز صوفیہ :- یہ رسالہ حضرت محمد معینؒ نے نواب اہابت خاں کی استدعا پر لکھا جس پر آپؒ کے شاگرد رشید شرف الدین علی کا مقدمہ ہے۔

(۳) اثبات دفع الیدین فی الصلوٰۃ کے سلسلہ میں آپؒ نے دو رسالے مرتب فرمائے تھے۔ ایک عربی میں اور دوسرا فارسی میں۔

(۴) ایقاظ الوسنان

(۵) غایۃ الفتح لمسئلۃ النسخ

(۶) رسالہ فی تحقیق اهل البیت

(۷) غایۃ الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی و ابن اصلاح

(۸) ابراز الضمیر للمنصف الخبیر

(۹) انوار الوجد من منح المجید

(۱۰) رسالہ در بحث تناسخ

(۱۱) رسالہ فی انتقاد الوضعین من "فتح القدیر"

(۱۲) رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث (لا نورث ما ترکنا صدقۃ

(۱۳) مواھب سید البشر فی حدیث الائمۃ الاثنی عشر

(۱۴) قرۃ العین فی البکاء علی الامام الحسین

(۱۵) رسالہ فی بحث حدیث المصراۃ

(۱۶) الحجۃ الجلیہ فی نقض الحکمۃ بالافضلیہ

(۱۷) رسالہ بالاجوبۃ الفاضلہ للاسئلۃ العشرۃ الکاملہ

(۱۸) رسالہ فی اثبات اسلام ابی طالب

(۱۹) دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب (یہ آپؒ کی سب سے آخری تصنیف ہے جس کو مولانا عبدالرشید نعمانی نے ایڈٹ کیا ہے اور سندھی ادبی بورڈ سے شائع ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ آپؒ کی بعض کتابیں اور بھی ہیں۔

شاعری

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی شعر بھی فرماتے تھے، فارسی میں آپؒ کا تخلص تسلیم اور ہندی میں بیراگی تھا۔ ہم تبرکاً آپؒ کے چند شعر یہاں نقل کرتے ہیں جو مشتاقانہ پختگی علوئے تخیل اور محاسن شعری کے آئینہ دار ہیں۔

علی ولی چو امام مبین ما شدہ بود
ہر دن توسن افلاک زین ما شدہ بود

کہ گفت بادف و نے درس ایں امروز
کہ شکل سجدہ بہر سو جبیں ما شدہ بود

بہ بزم میکدہ راز ازل عیاں دیدم
کہ چشم ساقی ما دور بین ما شدہ بود

جہاں ہوش بخود بردہ آں پریزادے
سحر کہ یک دو کے ہم نشین ما شدہ بود

بزور بازوئے مستی چو مستیم بشکست
کرشمہ ات کمکے در کمین ما شدہ بود

بشہر عشق ز فتوئی بربط و طنبور
سجود کوئے خرابات دین ما شدہ بود

برائے نقش جوش دین جعفری تسلیم
ز جوہر یمن دل نگین ما شدہ بود

چو آہو نافہ ریزی از دم مردان مولا
دریں بیدائے وحشت تا کہ قلاج رمے دارم

خزاینِ کثرت سو ہوم نتواند خراش من
کہ رخسارِ گلم کز بحر وحدت شبنمے دارم

ز پیچ و تاب کفر زلف ترسا بچہ شوخے
پریشاں قبلہ گاہم کیش در ہم برہمے دارم

ز فریاد نہاں و خاش دست غمزہ پردازی
رباب اضطرابم نغمۂ زیر و بمے دارم

بیاد بوزہ کن تسلیم زاں "تاجر" کہ می گوید
ز اسبابِ جہاں حاصل ہمیں جنس غمے دارم

مبادا ہیچ کسے خستہ دل ز ما تسلیم
کہ زیب خرقۂ ما شیوۂ کمانداری ست

کیست روباہ کہ از شیر ژیان صرفہ برد | عقل از چپلقش عشق زبوں می گردد

سگ گت را خون دل دادم کہ با من آشنا گردد
ندانستم ز بخت بد کہ او دیوانہ خواہد شد

علوئے مرتبت

حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگوں میں تھے کہ بعض مسائل میں وہ انفرادی مسلک رکھتے تھے۔ جن سے علماء کو سخت اختلاف تھا۔ لیکن اس پر بھی اُن تذکرہ نگار اور اُس دور کے جلیل القدر علماء باوجود اختلاف مسلک کے اُن کی عظمت اور علمی تبحر کے معترف ہیں۔

وفات

حضرت مخدوم محمد معینؒ نے سنہ ۱۱۶۱ھ کو عین مجلس سماع میں وفات پائی۔ پہلے گذر چکا ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی سے آپؒ کو غیر معمولی عقیدت و محبت تھی اور شاہ صاحب بھی آپؒ سے انتہائی خلوص و محبت رکھتے تھے۔ وفات سے ایک دن پہلے شاہ عبداللطیف نے اپنے وطن میں اچانک اپنے مریدوں سے فرمایا، چلو ہم اپنے دوست سے آخری ملاقات کرلیں۔ پھر آپؒ ٹھٹھہ تشریف لائے۔ آپؒ کے تشریف لانے پر محفل سماع منعقد ہوئی۔ اس محفل میں حضرت مخدوم محمد معینؒ بھی شریک تھے۔ محفل سماع شباب پر تھی۔ عین سرمستی اور ذوق کے عالم میں حضرت محمد معینؒ اُٹھے اور اندر تشریف لے گئے اور اسی عالم میں واصل الی اللہ ہوئے اور ٹھٹھہ کے مشہور قبرستان مکلی میں اپنے شیخ مخدوم ابوالقاسمؒ کی پائینتی مدفون ہوئے۔ شاہ عبداللطیف نے تجہیز و تکفین میں شرکت فرمائی۔ جب ٹھٹھہ سے رخصت ہونے لگے تو فرمایا ٹھٹھہ میں ہمارا آنا صرف اس (عزیز دوست) کیلئے تھا۔ آج یہ بھی ختم ہوا۔

تارِ یخہائے وفات

حضرت محمد معین ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر علمی دنیا میں صف ماتم بچھ گئی۔ ٹھٹھہ کا ہر شاعر، ادیب، اہل علم۔ اس صدمے سے متاثر تھا۔ مختلف شعراء اور اہل

کمال نے تاریخہائے وفات کہہ کر حضرت مخدوم موصوف کو خراج عقیدت پیش کیا۔

حضرت بی بی رانی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

حالات

حضرت بی بی رانی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ کی رہنے والی اور اپنے وقت کی ولیہ کاملہ تھیں۔ ان کا شمار اس زمانے کے اصحاب عرفان میں ہوتا تھا، ولایت کے جلیل القدر مرتبے پر فائز ہونے کے باوجود اپنے حالات کو اس قدر چھپاتی تھیں کہ کوئی بھی اُن کے متعلق یہ نہ جانتا تھا کہ وہ عرفان وولایت کا جوہر کامل اپنے اندر رکھتی ہیں۔

اتفاقاً ایک مرتبہ اُن کا ایک پڑوسی کسی سخت بیماری میں مبتلا ہوا۔ وہ اپنی عقیدت وارادت کی بناء پر حقائق ومعارف آگاہ حضرت بہاء الدین فقیر گوڈریہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپؒ نے اسکا حال سُنکر مراقبے میں سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ تم نے کسی صاحب دل کو اپنی کسی حرکت سے تکلیف پہنچائی ہے۔ اُن کی بد دُعا کا تیر تمہارے وجود میں اس طرح بیٹھا ہے کہ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں مگر وہ تیر تمہارے جسم سے نہیں نکلتا، تمہارا چارہ کار میری دسترس سے باہر ہے لیکن تمہارے پڑوس میں ایک خاتون رہتی ہیں جو بہت بڑی صاحبدل، پارسا، متقی اور اپنے وقت کی ولیۂ کاملہ ہیں، ان کا نام بی بی رانی ہے۔ تم اُنؒ کی طرف رجوع کرو۔ میرا خیال ہے کہ اُن کی دُعا سے تمہاری مشکل حل ہو گی۔ وہ شخص فوراً ہی بی بی رانی کی خدمت میں پہنچا، اور نہایت ہی مضطر ہو کر اپنی تکلیف اُن سے بیان کی۔ حضرت بی بی رانیؒ نے فرمایا کہ پریشان مت ہو۔ انشاءاللہ تم اچھے ہو جاؤ گے، پھر فرمایا کہ میں گوشۂ تنہائی میں اپنی زندگی گذارتی تھی اور کوئی مجھ سے واقف نہ تھا۔ اب عالم آشکارا ہو کر زندگی کا کوئی لطف نہیں۔ اس لئے دنیا سے اُٹھ جانا ہی بہتر ہے۔ حضرت بی بی رانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بشارت کے تیسرے روز اس شخص نے اپنی بیماری سے صحت پائی۔ اور اُسی دن حضرت بی بی رانیؒ نے وفات پائی اور ٹھٹھہ کے محلہ تند سر میں مدفون ہوئیں۔

حضرت بی بی فاطمہ حاجیانی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ

نام و عرف

حضرت بی بی فاطمہ حاجیانی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام فاطمہ تھا، ٹھٹھہ کی رہنے والی تھیں۔ جب آپؒ حج و زیارت سے فارغ ہو کر آئیں تو لوگوں میں بی بی حاجیانی لقب سے مشہور ہو گئیں۔

عبادت و ریاضت

حضرت بی بی فاطمہ حاجیانی رحمۃ اللہ علیہ حافظ قرآن مجید تھیں، اور تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف رکھتی تھیں۔ جب حج کیلئے تشریف لے گئیں تو دورانِ سفر میں رات اور دن میں ایک قرآن مجید ختم کرتیں اور اسکا ثواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشتی تھیں۔

استجابت دُعا

حضرت بی بی فاطمہ حاجیانی مستجاب الدعوات تھیں، مشہور ہے کہ جب آپؒ حج و زیارت سے فارغ ہو کر حرمین شریف سے واپس ہونے لگیں تو راستے میں سمندر میں ایسا خوفناک طوفان آیا کہ جو مسافر کشتی میں سوار تھے۔ اُن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور ہر ایک اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ مسافر پریشان ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، آپؒ مستجاب الدعوات ہیں۔ دعا فرمایئے کہ ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کریں۔ حضرت بی بی حاجیانی نے دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی تضرع اور زاری سے کہا۔ الٰہی میں تیری رضا پر راضی ہوں اور تیرے حکم کے سُپرد اپنی جان کرتی ہوں۔ لیکن یہ تیرے ضعیف بندے تیرے کرم پر بھروسہ رکھتے ہیں، اُن کے حال پر رحم کر اور ان کی مصیبت کو آسان فرما، ابھی وہ دعا ہی میں مصروف تھیں کہ طوفان فوراً رک گیا اور کشتی کو مخالف ہواؤں سے نجات حاصل ہوئی، سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

مدفن

حضرت بی بی فاطمہ حاجیانی رحمۃ اللہ علیہ ٹھٹھہ کے قبرستان مکلی میں مدفون ہیں اور

Scanned with CamScanner

آپ کا مزار زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ

ولادت حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۵۲ھ (۱۷۳۹ء) میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے والد خواجہ صلاح الدین نے پیدائشی نام عبدالوہاب رکھا مگر آگے چل کر دنیا اس نام کو بھول گئی اور آپ اپنی سچی اور حق پسندانہ باتوں کی وجہ سے سچو یا سچل کے نام سے مشہور ہو گئے اس کے ساتھ پیدائشی سرمستی اور غلبۂ سکر و جذب نے سرمست کا اور اضافہ کیا اور چاہنے والے حضرت سچل سرمست کہنے لگے۔

تعلیم و تربیت :۔ حضرت سچل سرمست کی تعلیم و تربیت اِن کے چچا خواجہ عبدالحق صاحب نے کی تھی۔ کیونکہ سچل سرمست علیہ الرحمۃ کے والد خواجہ صلاح الدین صاحب آپ کے زمانۂ طفلی میں ہی وفات کر گئے تھے۔ خواجہ عبدالحق صاحب نے ہونہار بھتیجے کو دینی تعلیم دلائی۔ حافظ عبدالرشید کے مکتب میں داخل کیا، جہاں آپ نے ۱۲ برس کی عمر میں حفظ قرآن کے بعد دین کے مسائل کا علم حاصل کیا۔ عربی فارسی اور سندھی پڑھی۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر کا درس لیا اور یہ سلسلہ تعلیم و تربیت چالیس سال کی عمر تک چلتا رہا۔

بیعت و خلافت :۔ حصول علم دین کے بعد آپ راہ سلوک کی جانب بڑھے اور حضرت خواجہ عبدالخالق صاحبؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، خواجہ صاحبؒ نے عرفان و ایقان کی دولت سے نوازا، خرقہ خلافت عطا کیا اور آپ مسند ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ بے شمار اللہ کے بندوں کو آپ کی ذات سے فیض پہنچا اور راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے انسان برائی سے نکل کر بھلائی کی طرف ہم قدم ہو گئے۔

خاندانی حالات :۔ حضرت سچل سرمست صاحبؒ نے اپنے خاندانی حالات کا ذکر اپنی فارسی مثنوی رازنامہ میں کیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ میرے جدامجد خواجہ محمد حافظ صاحب تالپوری عہد حکومت میں ایک ممتاز عہدے پر فائز تھے۔

ایک دن وہ اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں حضرت رابعہ بصریؒ نمودار ہوئیں اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر فرمایا۔ "اے اللہ کے بندے! تم کہاں جارہے ہو حالانکہ تم کو بارگاہ الٰہی سے عشق حقیقی کی دولت عطا ہوئی ہے۔ واپس جایئے اور اس عارضی حکومت کے عارضی عہدے سے سبکدوش ہو کر عشق حقیقی کی سلطنت کے تاجدار بن جایئے۔" رابعہ بصریؒ کے کلمات سنکر حافظ صاحب پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی، اور وہ دوستوں اور سواری کو چھوڑ کر جنگل کی جانب نکل گئے اور جہاں آج ان کا مزار ہے اس جگہ ایک غار میں داخل ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ مسلسل چالیس چلّے اس غار میں نکالے اور چار سال پانچ مہینہ ۵ دن گذارنے کے بعد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ایک بزرگ خواجہ عبد اللہؒ صاحب تشریف لائے، غار کے دروازہ پر کھڑے ہو کر حافظ صاحبؒ کو آواز دی اور فرمایا، اب پھل پک چکا ہے، باہر آیئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق آپ سے فائدہ اٹھائے حافظ صاحبؒ غار سے باہر آئے تو خواجہ صاحبؒ نے بیعت کیا، سینہ سے لگایا اور روحانی باطنی نعمتوں سے سرشار کر دیا ـــ اور پھر رخصت ہوتے وقت فرمایا، تمہارے دو فرزند ہوں گے، رحلت کے وقت مسند چھوٹے صاحبزادے کے حوالہ کرنا، کیونکہ بڑے فرزند سے سرمست پیدا ہوں گے جو لاولد ہوں گے اور مسند قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اسی وصیت کے مطابق حافظ صاحبؒ نے رحلت کے وقت چھوٹے فرزند خواجہ عبد الخالقؒ کو مسند نشین کیا تھا۔

مرشد سے محبت:۔ حضرت سچل سرمستؒ کو اپنے مرشد سے گہرا عشق تھا وہ اپنے مرشد کی خدمت میں جتنی دیر حاضر رہتے تھے ان کا جسم بے حس و حرکت رہتا تھا اور وہ مرشد کے دیدار سے اتنے محو ہو جاتے تھے کہ دنیا جہاں ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ ایک ایک بات کو ارشاد و ہدایت کا حرف آخر سمجھکر سنتے تھے باوجود سرمستی وجذب کے عمل کے وقت اس طرح ہوشیار ہو جاتے تھے جیسے کسی نے جھنجھوڑ کر بیدار کر دیا ہو۔ سچل سرمستؒ اپنی ایک دوسری مثنوی درد نامہ میں اپنے مرشد کے یہاں کی حاضری اور وہاں کی کیفیت کو اس طرح منظوم فرماتے ہیں ؎

یک روز بہ پیر خود رسید	جز درد نہ قصہا شنیدم
ہر گہہ کہ بہ من نظر بکردے	پر درد ہمے شدم بدر دے

فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیر کے حضور میں حاضر تھا اور حال یہ تھا۔ کہ میں نے وہاں درد کے سوا کوئی بات نہ سُنی ۔ جس وقت وہ میری جانب نظر فرماتے تھے اس وقت میں درد سے معمور ہو جاتا تھا۔ آپ نے اپنے پیرو مرشد کی مجلس میں درد و سوز کی کیفیت سے متاثر ہو کر ہی مثنوی کا نام درد نامہ رکھا تھا۔

وفات :۔ حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ نے نوے سال کی عمر میں اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ جس دن دنیا سے تشریف لے گئے اس دن رمضان المبارک کی ۱۳ تاریخ اور ۱۲۴۲ھ تھا۔ آپ کو دزازا کی درگاہ میں سپرد قبر کیا گیا۔ ہر سال رمضان کی ۱۳ تاریخ کو عقیدت مند آپ کا عُرس مناتے ہیں جس میں دوسرے مشاغل کے علاوہ آپ کے کلام سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں۔

کلام سرمست :۔ سرتاج الشعراء حضرت سچل سرمستؒ کا کلام سات زبانوں میں موجود ہے اور اسی بناء پر آپ کو شاعر ہفت زبان کہا جاتا ہے ان کا تمام تر کلام منظوم ہے ۔ جو سوز و محبت ، درد و گداز ، جذب و جلال ، جوش و مستی اور عشق و الفت کا ایک ایسا خزانہ و گنجینہ ہے جو عالم جذب میں کہا گیا ہے ۔ روایت ہے کہ جس وقت آپ پر جذب کا عالم طاری ہوتا تھا اور زبان سے اشعار نکلنا شروع ہوتے تھے تو آپ کی زلفیں سیدھی کھڑی ہو جاتی تھیں ، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور بے خودی کی کیفیت میں زبان سے اشعار اس طرح ادا ہوتے تھے جیسے الہام ہو رہا ہے آپ نے اپنے ہاتھ میں کبھی قلم کاغذ نہیں لیا اور نہ اتنا ہوش تھا کہ قلم چلا سکیں۔ حاضرین میں کچھ مریدین ایسے تھے جو لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے جملہ اشعار کی تعداد ۹ لاکھ ۳۶ ہزار ۶ سو ۳۶ ہے ، جو شاعری کی حسب ذیل اصناف سے تعلق رکھتے ہیں ، کافی ، غزل ، مولود ، مرثیہ ، مثنوی فرد ، رباعی ، مسدس ، سہ حرفی ، مخمس وغیرہ ، آپ کا جو کلام اب تک طبع ہو چکا

ہے وہ حسب ذیل ہے۔ مثنوی عشق نامہ۔ مثنوی درد نامہ، مثنوی گداز نامہ، مثنوی راز نامہ۔ مثنوی رہبر نامہ۔ مثنوی نار نامہ۔ مثنوی وحدت نامہ۔ دیوان آشکار۔ مثنوی وصلت نامہ وغیرہ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت سچل سرمست علیہ الرحمۃ کے کلام کو اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ شائع کیا جائے تاکہ عوام وخواص اس سے مستفیض ہو سکیں۔ حضرت سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ کا مزار شریف سندھ میں ریاست خیر پور کے قریب درازا میں واقع ہے اور ہر سال ۱۳ رمضان کو دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ۔ کراچی

ابتدائی حالات :۔ پاکستان میں سندھ ہی وہ پہلی سرزمین ہے جہاں سب سے پہلے آفتاب اسلام کی شعاعیں پھوٹیں۔ غازیان اسلام نے نہ صرف اس علاقہ کے باشندوں سے اپنی شجاعت اور دلیری کا لوہا منوایا بلکہ سندھ کے باشندوں کو اپنے حسن اخلاق سے اسلام کا گرویدہ بھی بنایا۔ یوں تو حضرت فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں ۲۲ھ میں مسلمان مجاہدوں نے اپنا رُخ سندھ کی طرف کر دیا تھا، اس کے بعد حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۳۸ھ میں مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپیں اس سرزمین پر پڑیں اور اس کے بعد بھی حملوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ مگر سب سے زیادہ منظم طریقہ پر جس بہادر نے زمین سندھ پر قدم رکھا وہ مجاہد اسلام محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہوں نے ایک طرف سندھ کو فتح کیا، دشمنان اسلام سے ان کی بدتمیزی کا بدلہ لیا، اس سرزمین پر اسلام کا علم لہرایا تو دوسری طرف اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تبلیغ بھی کی، اور سندھ کے ہزاروں باشندوں کو اسلام لانے کی توفیق حاصل ہوئی۔

مجاہدین اسلام کے علاوہ جن بزرگوں نے اشاعت اسلام کی غرض سے اپنے وطنوں کو خیرباد کہا اور سندھ میں آکر اسلام کی تبلیغ کی، ان میں اگرچہ حاجی

ترابی رحمۃ اللہ علیہ کو قدیم مانا جاتا ہے اور اُن کے مزار کو پہلا مزار کہا جاتا ہے جو ٹھٹھہ سے دس میل دُور تحصیل میرپور ساکرو میں مرجع عقیدت ہے۔ اور اس مزار پر ان کا سن وفات ۱۷۱ھ تحریر ہے۔ لیکن تاریخی حقائق اور شواہد سے ان سے پہلے ایک دوسرے بزرگ کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ یہ برگزیدہ بزرگ حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کا مزار کلفٹن کراچی میں ایک پہاڑی پر واقع ہے اور ان کی تاریخ شہادت ۱۵۱ھ ہے۔ اس اعتبار سے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پورے سندھ میں کراچی وہ پہلی آبادی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بزرگ اسلام کی اشاعت اور اس کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے۔

ولادت و نسب:۔ تاریخی روایات پر غور کرنے اور ان روایتوں کے تطابق سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت پہلی صدی ہجری کے آخر میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بنی اُمیہ کی حکومت آخری سسکیاں لے رہی تھا اور پورے ملک میں انتشار و بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ حضرت عبداللہ شاہ غازی کا پورا نام سید ابو محمد عبداللہ الاَشتر ہے۔ اَلاَشتَر جو کہ اَلاَکبَر کے وزن پر ہے عربی میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے پپوٹے اس کی آنکھوں پر جُھکے ہوئے ہوں۔ آپ کا نسب نامہ حسب ذیل ہے۔

سید ابو محمد عبداللہ الاشتر ابن سید محمد المہدی ذوالنفس الزکیہ بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بن حضرت علی ابن ابو طالب کرم اللہ وجہہ الکریم۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت حسن مثنیٰ کی شادی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ صغریٰ سے ہوئی تھی اس لحاظ سے حضرت سید عبداللہ شاہ غازی دونوں اماموں کی نجابت کے وارث بنے اور وہ الحسنی الحسینی کہلائے۔ لا شرف صرف جسم و جان تک۔

Scanned with CamScanner

...... محدود نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ شاہ غازی کو اخلاق و اعمال میں اپنے اسلاف کا صحیح جانشین بنایا تھا اور ان کی ذات میں وہ تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں جو مجاہد اسلام غازی اور مبلغ اسلام میں ہونا چاہئیں۔

سندھ میں تشریف آوری:- ۱۳۸ھ میں جبکہ حضرت عبد اللہ شاہ غازی کے والد سید محمد المہدی نفس ذکیہ نے عباسیوں کے خلاف خروج کیا اور اپنی خلافت کی دعوت کے لئے مدینہ طیبہ کو اپنی رہائش اور قیام کے لئے خاص کیا اور اسی غرض کے لئے اپنے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کو بصرہ کی جانب روانہ کیا، اسی زمانہ میں عبد اللہ شاہ غازی خفیہ طور پر عراق عرب سے سندھ کے لئے روانہ ہوئے۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کے والد نے آپ کو خاص طور پر سندھ میں دعوت خلافت کے لئے روانہ کیا تھا مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ شاہ غازی کو اس تحریک سے زیادہ تبلیغ اسلام سے محبت تھی، انہوں نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی، اور سندھ کی جانب بڑھنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ دینداری، بہادری اور جوش تبلیغ اُن کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔

چونکہ اس زمانہ میں عباسیوں اور علویوں کے درمیان خلافت کے سلسلہ میں شدید مخالفت ہو رہی تھی، حضرت عبد اللہ شاہ غازی نے خیال کیا کہ اگر میں صرف تبلیغ کی غرض سے سندھ کی طرف بڑھا تو ممکن ہے کہ سندھ میں عباسیوں کے مقرر کردہ اراکین حکومت میرے خلاف کوئی قدم اُٹھائیں۔ اس لئے آپ نے بحیثیت تاجر سندھ میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا اور اپنے بیس کے قریب مریدین و رفقاء کے ساتھ پہلے کوفہ گئے۔ وہاں سے بہت سے گھوڑے تجارت کی غرض سے خریدے اور قطع مسافت کرتے ہوئے سندھ کی سرزمین میں پہنچے، عام طور پر آپ کو گھوڑوں کا تاجر سمجھا گیا اور کسی نے کوئی خاص مداخلت و مزاحمت نہیں کی۔

تبلیغ اسلام :- اللہ تعالیٰ نے بھی غازی صاحب کی امداد فرمائی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ خلیفہ بغداد کی جانب سے عمرو بن حفص سندھ کے گورنر تھے، وہ اگرچہ عباسی گورنر تھے، مگر سادات علویہ سے ان کو اُنس تھا اور در پردہ ان کی حمایت کرتے رہتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے گورنر سے کہا کہ یہ گھوڑوں کی تجارت تو بہانہ ہے، اصل بات یہ ہے، کہ عبداللہ شاہ غازی کو ان کے والد سید محمد المہدی نفس ذکیہ نے سندھ میں اپنی دعوت خلافت کے لئے مامور کیا ہے۔ اور اسی کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں۔ عمرو بن حفص نے سُنی اَن سُنی کر دی اور عبداللہ شاہ سے ملاقات کر کے نہ صرف ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ بلکہ علویوں کی خلافت کے لئے کچھ کام بھی شروع کر دیا۔

دو تین سال کے عرصہ میں دعوت خلافت کی تحریک خاصی پھیل چلی تھی اور اس بات کا پورا انتظام کیا جا چکا تھا کہ مستقبل قریب میں عبداللہ شاہ غازی خلافت کے موضوع پر ایک خصوصی خطبہ دیں گے اور اسی دن محمد المہدی نفس ذکیہ کے لئے بیعت عام لی جائے گی۔ مگر وہ وقت ابھی آنے بھی نہیں پایا تھا گورنر عمرو بن حفص کو قصر خلافت بغداد سے مطلع کیا گیا کہ محمد المہدی نے مدینہ میں خلافت عباسی کے خلاف خروج کیا اور بصرہ میں ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے خروج کیا اور خلافت عباسیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ دونوں سے عباسی فوج نے مقابلہ کیا۔ محمد المہدی ۱۵ رمضان ۱۴۵ھ کو مدینہ میں قتل کر دیئے گئے اور ان کے بھائی سید ابراہیم کو بصرہ میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۴۵ھ (۱۴ فروری ۷۶۳ء) کو عباسی فوج نے شکست دے کر موت کی نیند سُلا دیا ہے۔ لہٰذا ابو محمد عبداللہ شاہ غازی کو جلد از جلد گرفتار کر کے دربار خلافت میں حاضر کیا جائے۔

اس اطلاع سے عبداللہ شاہ غازی کو بڑا دُکھ پہنچا، دعوت اسلام کی جو تحریک سندھ میں انہوں نے شروع کر رکھی تھی، اور صدہا آدمی قبول اسلام کے بعد ان کے ہم نوا بن چکے تھے، اچانک رک گئی، گورنر عمرو بن حفص

نے بھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ حضرت سید عبداللہ شاہ کو کوئی گزند پہنچے چنانچہ گورنر نے عبداللہ شاہ صاحب کو مع چار سو مریدین کے سندھ کی ایک ساحلی ریاست میں بھیج دیا اور وہاں کے راجہ کو جو اسلامی حکومت کا اطاعت گزار تھا، اور سادات سے محبت کرتا تھا، ہدایت کر دی کہ عبداللہ شاہ کی ہر ممکن طریقہ پر حفاظت کی جائے اور ان کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جائے اس کے علاوہ تبلیغ جو تحریک وہ چلا رہے ہیں اس میں بھی ان کی اعانت کا خیال رکھا جائے۔ سید عبداللہ شاہ اس ریاست میں پہنچے تو راجہ نے خاطر خواہ احترام کیا اور تبلیغ کے مواقع میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہونے دی۔ گورنر عمرو بن حفص نے منصور خلیفہ عباسی کو ہر طرح اطمینان دلانا چاہا کہ سید عبداللہ میری حدود مملکت میں نہیں ہیں اس لئے ان کی گرفتاری اور قتل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے مگر خلیفہ کو اطمینان نہیں ہوا۔ عمرو بن حفص نے بہت دن معاملے کو ٹالنے اور خلافت عباسیہ کے ذہن سے عبداللہ شاہ غازی کے خیال کو نکالنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ عبداللہ شاہ غازی راجہ کے مہمان رہے اور اس عرصہ میں متواتر اسلام کی تبلیغ کرتے، بہت سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی توفیق حاصل ہوئی، اور مریدین کی ایک بڑی جماعت حضرت کے ساتھ ہو گئی۔

خلیفہ منصور عباسی کی پریشانی برابر بڑھتی رہی اور وہ سندھ میں خلافت عباسیہ کے لئے عبداللہ شاہ غازی کو بہت بڑا خطرہ محسوس کرتے رہے۔ آخر منصور نے ۱۵۱ھ میں عمرو بن حفص گورنر سندھ کو سندھ سے ہٹا کر افریقہ میں گورنر مقرر کر دیا۔ اور ان کی جگہ ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کا گورنر بنا دیا اور حکم دیا کہ جس طرح ہو ابو محمد عبداللہ شاہ غازی کو گرفتار کیا جائے اور قتل کر دیا جائے۔

شہادت :۔ خلیفہ منصور عباسی نے ہشام بن عمرو تغلبی کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ دربار خلافت میں یہ اطلاع بھی موصول ہوئی ہے کہ عبداللہ شاہ غازی

سندھ کی ایک ساحلی ریاست میں مقیم ہیں اور ایک بڑا گروہ ان کے گرد جمع ہو گیا ہے، لہٰذا اگر ضرورت ہو تو گرفتاری کے سلسلہ میں ریاست پر چڑھائی کرنے بھی تامل نہ کیا جائے۔ گورنر ہشام ابھی اس حکم کی تعمیل کے سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ ۱۵۱ھ میں سید ابو محمد عبد اللہ شاہ غازی ریاست سے باہر ساحلی علاقے میں اپنے کچھ رفیقوں کے ہمراہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت نکلے تھے کہ راستہ میں عباسیوں کی سرحدی فوج سے آمنا سامنا ہو گیا۔ فوجیوں کے کان میں منصور کے احکام کی بھنک پڑ چکی تھی وہ دیکھتے ہی آپ کی سمت بڑھے۔ حضرت عبد اللہ شاہ کا ارادہ لڑنے کا نہیں تھا نیز یہ کہ وہ مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے کو اچھا بھی نہیں سمجھتے تھے، آپ نے کوشش کی جنگ کی نوبت نہ آئے مگر فوجیوں نے پیش قدمی کر دی۔ آپ نے بھی اس کے بعد میدان سے ہٹنا پسند نہیں کیا۔ اور سرحدی فوج کے مقابلہ میں وہ اور ان کے ساتھی خوب جم کر لڑے۔ یہاں تک کہ حضرت غازی موصوف اور ان کے کچھ ساتھی میدان میں عباسی فوج سے لڑتے رہے جاں بحق ہو گئے۔ حضرت کی شہادت کے بعد فوجیوں کے بھی قدم میدان سے اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت غازی صاحبؒ کے جو ساتھی بچ گئے تھے انہوں نے آپ کے جسم مبارک کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس خیال سے کہ منتشر فوجیوں کے دوسرے ساتھی نہ آ جائیں حضرت کے جسم کو لے کر قریب ہی کی جھاڑیوں میں روپوش ہو گئے اور جب اطمینان ہو گیا تو قریب ہی کی پہاڑی پر سپرد قبر کر دیا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ شاہ صاحبؒ کو راجہ کے قیام کئے دس سال ہو چکے تھے اور اسی عرصہ میں آپ نے اسلام کی تبلیغ بھی فرمائی اور علویوں کے حامیوں کی خاصی تعداد آپ کے گرد جمع ہو گئیں۔ ذوالحجہ ۱۵۱ھ میں جبکہ آپ مریدین کی جماعت کے ساتھ ریاست سے باہر سیر و شکار میں مصروف تھے کہ گورنر ہشام کے حقیقی بھائی کسی

فوجی مہم سے اپنے فوجیوں کے ساتھ واپس آ رہے تھے کہ جنگ چھڑ گئی اور ایک خون ریز معرکہ کے بعد حضرت عبداللہ شاہ شہید ہو گئے۔ آپ کے مُرید آپ کی لاش کو لئے جنگلوں اور دلدلوں میں ہوتے ہوئے ساحل سمندر پر ایک مختصر سے گاؤں میں پہنچے اور اس گاؤں میں ایک پہاڑی پر جو ریت اور مٹی کی تھی آپ کو حوالہ قبر کر دیا۔

بعد کے حالات:۔ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کی شہادت کے چند روز بعد عباسی فوج فو' آپ کے اہل و عیال کی تلاش شروع کر دی، اور جب یہ یقین ہو گیا کہ آپ کی بیوی صاحبہ اور ایک فرزند سید ابوالحسن محمد ریاست میں ہیں تو راجہ سے ان کو فوج نے جبراً حاصل کر لیا اور جن کو ہشام بن عمرو تغلبی گورنر سندھ نے خصوصی فوجی دستہ کی نگرانی میں خلیفہ منصور کے پاس بغداد بھجوا دیا۔ منصور نے چند روز ان کو بغداد میں رکھا اور اس کے بعد باحترام فوجی حفاظت میں مدینہ طیبہ بھجوا دیا۔ سید ابوالحسنؒ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خاصی لمبی عمر عطا فرمائی اور ان کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی۔ مستند روایات سے واضح ہوتا ہے کہ پاک و ہند میں تحریک جہاد کے مشہور مجاہد مولانا سید احمد شہیدؒ آپ ہی کی اولاد سے تھے اور جو ۱۲۴۶ھ میں سکھوں سے جہاد کرتے بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

مقبرہ:۔ تاریخ میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جائے کہ آپ کا مقبرہ کس سن میں اور کس نے بنایا تھا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری تک مزارات پر مقبرے تعمیر کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ اور عام طور پر مزارات کھلے رہا کرتے تھے۔ اور خام ہوتے تھے۔ اس لئے مقبرہ کی تعمیر پانچویں یا چھٹی صدی ہجری میں ہو سکتی ہے جیسا کہ ایرانی سیاح خواجہ حسن کی یادداشتوں سے واضح ہوتا ہے۔ ۱۲۱۱ھ میں ایک انگریز ہملٹن نے بھی اس جگہ کو دیکھا تھا اور مقبرہ وغیرہ کو دیکھکر اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ کوئی

درویش یہاں قیام پذیر ہوگا۔ اس کا یہ مقبرہ معلوم ہوتا ہے۔ موجودہ مقبرہ کی تعمیر قدیم معلوم ہوتی ہے اور عمارت پرانی ہونے کی وجہ سے کئی جگہ سے پھٹ گئی ہے اور بہرحال فرش کا ہے۔ مقبرہ کے قریب ایک مسجد بھی ہے جسے محکمہ اوقات کی طرف سے تعمیر کیا جا رہا ہے۔ مزار کی موجودہ صورت دیکھنے سے پتہ چلتا ہے وہ عام قاعدہ کے مطابق شمالاً جنوباً نہیں ہے اور سرہانہ پوری طرح مغربی رخ کی طرف نہیں ہے۔ اس سے ایک بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے مریدین عباسی فوج کی نظر سے آپ کی لاش کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں اور اس فکر و عجلت میں وہ دفن کرتے وقت سمتوں کا پورا خیال نہیں رکھ سکے ہیں۔

آج کل یہ مزار شریف محکمہ اوقات کے ہاتھ میں ہے اور اس کی جملہ آمدنی جو پچاس ہزار سالانہ کے قریب ہے، اوقات کی تحویل میں جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد یہ مزار سہوان کے سجادگان کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور انہوں نے بعض تعمیرات کا اضافہ بھی کیا تھا۔

عرس :- حضرت عبداللہ شاہ غازی کا عرس ہر سال کراچی میں آپ کے مزار واقع کلفٹن میں ۲۰ - ۲۱ ذالحجہ کو کیا جاتا ہے۔ ہزاروں عقیدت مند کراچی، سندھ اور دوسرے علاقوں سے شریک ہونے آتے ہیں۔ وعظ و تبلیغ کے علاوہ محفل سماع بھی منعقد ہوتی ہے۔ تصوف و سلوک سے وابستہ ہر طبقہ کے حضرات کو آپ کی ذات سے عقیدت ہے اور وہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب کو ان بنیادی بزرگوں میں سمجھتے ہیں جبکہ تصوف کے موجودہ خانوادے وجود میں نہیں آئے تھے۔ موجودہ مزار اور اس کے ملحقات کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس جگہ پہلے بہت گھنا جنگل تھا اور اس میں خونخوار درندوں کا مسکن تھا اور اس سے قریب ہی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جسے گیسری گوٹ کہا جاتا تھا۔ اب وہ جنگل اور درندے سب غائب ہیں۔

کتب تاریخ میں کراچی کا نام بھی واضح طور پر نہیں ملتا ہے۔ البتہ

فتوح البلدان میں محمد ابن قاسمؒ کی فتوحات کے سلسلہ میں "دیبل" شہر سے پہلے ایک اور شہر "کیبرج" کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کیبرج کو بعض مورخین نے "کیبرچ" لکھا ہے اس لئے یہ بات بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کراچی ہی وہ قدیم جگہ ہے جسے کیبرج، کیبرچ اور کیراچ لکھا گیا ہے جو بعد میں کثرت استعمال سے کراچی ہو گیا۔ اس کی تصدیق تاریخ کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ دیبل ۲۸۰ھ میں زلزلہ سے تباہ ہو گیا تھا اور اس تباہی کے کراچی میں مطلق آثار نہیں پائے جاتے ہیں اور نہ کتب تاریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

قدیم تواریخ مثلاً ابن خلدون، طبری، البدایہ والنہایہ، تاریخ الکامل ابن اثیر وغیرہ کے بیان سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ سید ابو محمد عبداللہ الاشتر المعروف عبداللہ شاہ غازی کو ان کے والد نے دعوت خلافت کے سلسلہ میں بحیثیت نقیب سندھ کی جانب بھیجا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ شاہ کو خلافت سے زیادہ اسلام کی تبلیغ عزیز تھی اور انہوں نے ۱۲ سال کے قریب سندھ میں اپنی تمام تر کوششیں اسلام کو پھیلانے ہی کے لئے جاری رکھیں۔ اگر حصول اقتدار ان کا مقصد ہوتا تو شاید مسلمانوں نے آپ کی ذات سے ہے۔ وہ نہ ہوتی۔

ایک نمایاں کرامت: حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں کرامت، وہ میٹھے پانی کا چشمہ ہے جو آپ کے مزار کے نیچے پہاڑی کی تلی میں اُبل رہا ہے اور جس سے ہزاروں اللہ کے بندے سیراب ہوتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس چشمہ کے متعلق یہ روایت اکثر لوگوں کی زبانی سننے میں آئی ہے، کہ حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کو جب ان کے کچھ مرید پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر چکے تو ان کا دل نہیں چاہا کہ وہ اپنے مرشد کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے مزار کے قریب ہی سکونت اختیار کر لی، مگر میٹھا پانی دُور دُور نہ ہونے کی وجہ سے ان کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا

پڑا۔ آخر ایک دن ان سب نے سخت پیاس اور مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کا واسطہ دے کر دعا مانگی اور پانی ملنے کی درخواست کی۔ اس دن رات کو حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ نے ان مریدین میں سے ایک بوڑھے شخص کو خواب میں مطلع کیا کہ اللہ نے تمہاری مشکل آسان کردی ہے اور تمہارے لئے پہاڑی کی تلی میں پانی کا چشمہ جاری کردیا ہے مریدین فجر میں نماز کے بعد نیچے اُترے تو دیکھا کہ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا نام عبداللطیف۔ آپؒ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید اللہ۔ آپؒ کی والدہ درویشن مخدوم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپکے خاندان کا تعلق کاظمی سادات سے ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر ۸۰۱ھ میں سندھ تشریف لائے اور قصبۂ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد بلڑی میں آباد ہوگئے جو حیدرآباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خانوادے کے جو افراد بلڑی میں آباد ہوئے۔ اسی شاخ میں سید عبدالکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبداللطیفؒ کے پیر دادا ہیں۔ شاہ عبداللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے صاحب وجد و حال تھے، ہمیشہ آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ آپ پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپکے صاحبزادے حضرت شاہ عبداللطیفؒ آپکی خدمت میں حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ پوچھتے "تم کون ہو؟" وہ فرماتے کہ حضور کا غلام عبداللطیف ہے، فرماتے کہ میں نہیں جانتا۔ مخدوم نقشبندی نے سید حبیب شاہ کی تاریخ وفات اس حدیث سے نکالی ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی لقاء الحبیب۔

ولادت

حضرت شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہالہ حویلی جو پرگنہ ہالہ کا ایک

چھوٹا سا قصبہ ہے سنہ ۱۱۰۱ھ ۱۶۸۹ء میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔

تعلیم

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ نے کن مدارس میں تعلیم پائی اور کون سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا اس سلسلہ میں آپکے تمام تذکرہ نگار خاموش ہیں بلکہ مشہور تو یہ ہے کہ شاہ عبداللطیفؒ نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور وہ اُمّی تھے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ اُنکی شاعری اور کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑی قدرت تھی قرآن مجید، حدیث، تصوف اور دوسرے علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن وحدیث کے اعلیٰ مضامین کو اور تصوف کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپؒ نے اپنی سندھی شاعری میں سمویا ہے یہ سب چیزیں آپؒ کے علوم وفضل کی شاہد ہیں۔

آپؒ کے بچپن کا زمانہ اپنے والد سید حبیب شاہ کے ساتھ بالا حویلی ہی میں گزرا۔ لیکن جب آپؒ کے والد کوٹری چلے آئے تو آپؒ بھی اپنے والد کے ساتھ چند دن کوٹری میں رہے۔

ابتداء ہی سے علم وعرفان، سلوک ومعرفت کا نور آپؒ کے چہرے سے ہویدا تھا۔ آپؒ زمانہ شعور ہی سے ذکر وفکر میں مصروف رہتے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ آپؒ پر عشق مجازی کا بھی غلبہ رہا اور اسی حیرانی میں آپؒ جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ صحرا نوردی کرتے رہے۔ آخر یہی عشق مجازی، عشق حقیقی کا رہبر بنا اور ایک دم دل انوار الٰہی سے روشن ہوگیا اور آپؒ صحرا نوردی چھوڑ کر ایک خاص مقام پہ یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔

بھٹ میں قیام

جس مقام کو حضرت شاہ عبداللطیف نے اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، یہ مقام اب شاہ بھٹ کے نام سے مشہور ہے۔ بھٹ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں شاہ کی برکات سے یہ ویرانہ مقام خوب آباد ہوا جس وقت آپؒ بھٹ میں آباد ہوئے اُس وقت آپؒ کی عمر چھبیس ۲۶ سال کی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر حضرت شاہ عبداللطیف نے علم وعرفان کے چشمے جاری کئے اور رشد وہدایت کی وہ شمع روشن کی جسکی روشنی سندھ سے نکل کر دور دور پھیلی۔

حضرت شاہ عبداللطیفؒ نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات دیکھے تھے اورنگ زیب نے جب وفات پائی تو اسوقت آپؒ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا۔ اُن کے وطن میں خاندان کلہوڑا کی حکومت مرکزی حکومت کا جُوا کندھے سے اتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے وقت بھی دیکھا کہ جب سندھ کو نادر شاہ نے لوٹا اور کلہوڑا فرمانروا ایران کے باجگزار بنے۔ انہیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندناتا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ فکر و عمل و اخلاق و کردار کا توازن بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کیلئے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کیلئے تھیں۔ اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ صوفیائے خام اور علمائے سوء، رشد و ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیفؒ کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا۔ انہوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ حضرت شاہ عبداللطیفؒ کی ساری زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے، رسول اکرمؐ کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔ بگڑی ہوئی زندگی کو حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار سے آراستہ کیا جائے۔ ظلم کے خبیث درخت کو اکھیڑ کر انسانیت کو محبت و خلوص سے آشنا کیا جائے۔

بھٹ میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً چالیس سال تک اس مقصد کیلئے حضرت شاہ عبداللطیفؒ نے جو انتھک کوشش کی ہے۔ ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے۔ انہوں نے اپنے پیغام کو عام بنانے کیلئے اپنی شاعری میں سندھ کی اُن روحانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنہیں سندھ کے لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے۔ انہیں کہانیوں کے پردے میں آپؒ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے اور اُن میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت ان کی شاعری کا موضوع خاص ہے۔ اُن کی شاعری میں تصوف اور شعریت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ

Scanned with CamScanner

پڑھنے والا ان کے نغموں میں ایک روحانی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

شاہ جو رسالو

حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۂ کلام کا نام "شاہ جو رسالو" ہے۔ جو سندھ کے چپے چپے میں نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ کلام اُن کے مریدوں اور فقیروں نے جمع کیا تھا۔ اُن کے بعض مرید تو ایسے تھے کہ انہیں شاہ کا پورا کلام زبانی یاد تھا۔ ہاشم، تمر اور بلال کے متعلق تو مشہور ہے کہ حضرت شاہ کا کوئی شعر ایسا نہ تھا جو اُن کو زبانی یاد نہ ہو۔

"شاہ جو رسالو" کو سب سے پہلے ڈاکٹر ٹرمپ نے جرمنی سے طبع کرایا تھا۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پھر اس کا ایک ایڈیشن ڈاکٹر گربخشانی نے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن سب سے زیادہ مقبول ہوا کیونکہ اسکی تصحیح میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی محنت و تحقیق سے کام لیا ہے۔ اب سندھی ادبی بورڈ کی جانب سے سندھ کے فاضل و محقق علامہ ڈاکٹر داؤد پوتہ "شاہ جو رسالہ" پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔

غریبوں کی محبت

حضرت شاہ عبد اللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کو غریبوں سے بیحد محبت تھی۔ وہ اُن کے دُکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبد اللطیف "شاہ بندر" گئے اور کسی قریب کے گاؤں میں شتربانوں کے خیمے میں ٹھہرے۔ حضرت شاہ جہاں ٹھہرے ہوئے تھے کچھ اونٹ چیختے چلاتے اور بلبلاتے ہوئے آئے۔ آپ نے اونٹ والوں سے اسکی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم جو بہت بڑا ظالم انسان ہے۔ اس گاؤں میں جو غریب اونٹ والے بھولے سے آنکلتے ہیں یہ ان اونٹوں کی ٹانگوں اور دُموں میں کپڑے کے گولے بنوا کر اُن گولوں میں آگ لگوا دیتا ہے۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلاتے ہیں تو یہ بہت خوش ہوتا ہے اس وقت بھی

یہ اونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں۔ شاہ عبد اللطیفؒ کو یہ بات سُنکر بہت دکھ ہوا اور اونٹوں کو دیکھ کر بڑا رحم آیا۔ آپؒ نے اُسی وقت سندھی میں ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ :-

"یہ محل غارت ہوں، شتربانوں کے خیمے آباد رہیں میں اُونٹنیوں کے دُودھ کو کبھی نہیں بھُول سکتا۔ شتربان ہمیشہ آباد رہیں، اور اُن کو ستانے والے دودھ کو ترسیں۔"

پھر حضرت شاہ بھٹائیؒ نے اُن اُونٹ والوں سے کہا، جاؤ میرے بیٹو! کچھ دن نہیں گذرنے کہ کہر قوم کے محل ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنیں گے۔ کہتے ہیں کہ کچھ دن بھی نہیں گذرے تھے کہ یہ گاؤں ویران ہو کر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا۔

وطن کی محبّت

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حب الوطنی کو ایمان کی نشانی قرار دیا ہے۔ حضرت شاہ عبد اللطیف کو اپنے وطن (سندھ) سے غیر معمولی محبت تھی۔ انہوں نے "شاہ جو رسالو" میں جا بجا اپنے وطن کے لئے خیر و برکت کی دعا کی ہے۔ ایک دوہے میں فرماتے ہیں :-

میری خواہش ہے کہ اپنے وطن کو دیکھتے دیکھتے جان دوں۔
میرے صبح کو نیند نہ کرنا
پردیسن کو اس کے محبوب سے جُدا نہ کرنا
میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے وطن تھر کی ٹھنڈی مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔
اگر میں پردیس میں مرجاؤں تو میری لاش کو ملیر میں دفن کرنا۔

حضرت شاہؒ کی حب الوطنی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کا چرچا تھا اور اس دور کے سندھی شعراء فارسی میں شعر کہنا اپنا طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ فارسی زبان کو ایک سرکاری حیثیت حاصل تھی اور فارسی شاعری ہی سے اس زمانے کے اُمراء اور

اہل کمال کی مجلسیں گونجتی تھیں۔ عین اس زمانے میں جب کہ سندھ میں فارسی شاعری کی مقبولیت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ حضرت شاہؒ نے زمانے کی رو سے ہٹ کر سندھی زبان کو اپنی شاعری کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنی بے مثل شاعری سے سندھی زبان کو مالامال کر دیا۔ اس لحاظ سے حضرت شاہ عبداللطیف سندھی زبان کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

وفات

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۲ء میں بھٹ میں واصل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ تاریخ وفات ان دو مصرعوں سے نکلتی ہے ؎

(۱) گردیدہ محوِ عشق وجود لطیف میر (۱۱۶۵ھ)

(۲) شد محوِ در مراقبہ صبح لطیف پاک (۱۱۶۵ھ)

صاحب مقالات الشعراء کا بیان ہے کہ جس روز آپؒ کا انتقال ہوا آپؒ کے بعض مرید اس صدمۂ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے اور جان دے دی۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کا روضۂ مبارک کلہوڑا خاندان کے چوتھے بادشاہ میاں غلام شاہ نے ۱۷۵۴ء میں تعمیر کرایا اور راجہ جیسلمیر نے نوبت نذر کی۔

بزرگوں کی فاتحہ کا طریقہ

ہر نیکی اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا چاہیئے۔ وہی اسے قبول فرماتا ہے اور وہی اس کا اجر ثواب عطا فرماتا ہے۔ یہ اختیار اور قوت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے۔ اسکا دوسرا اور صاف مطلب یہ ہے کہ ہر نیکی عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ فاتحہ بھی ایک قسم کی نیکی ہے اس نیکی کا ثواب ملتا ہے اور وہ ثواب نیکی کرنے والے کی طرف سے اس بزرگ یا مسلمان کی روح کو پہنچتا ہے جس

کی نیت سے یہ فاتحہ کی جاتی ہے۔

فاتحہ اصل میں ایصال ثواب ہے چونکہ ایصال ثواب میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اسلئے عام طور پر ایصال ثواب کو فاتحہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا سے سفر کرنیوالے مسلمانوں کی روحیں اس بات کا انتظار کرتی ہیں کہ کوئی ان کا عزیز یا عام مسلمان انکی روح کیلئے کوئی نیک کام کر کے ثواب پہنچائے اسلئے بزرگوں نے فاتحہ کے طریقہ کو عام کیا تاکہ مسلمان اپنے بزرگوں کی اور رشتہ داروں کی روح کو ثواب پہنچاتے رہیں۔

آپ جب بھی کسی کی روح کو ایصال ثواب کرنا چاہیں اس وقت آپ قبرستان میں ہوں یا مسجد اور گھر میں سب سے پہلے پاک صاف لباس اور وضو کے ساتھ بسم اللہ پڑھیے، پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھیے، پھر چاروں قل ایک ایک مرتبہ، البتہ قل ہو اللہ احد ۳ مرتبہ پڑھیے اس کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر تین مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ اس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا چاہیئے کہ اے میرے رب کریم و رحیم! میں نے جو کچھ قرآن کریم کی آیات پڑھی ہیں اور تیرے آخری نبیؐ پر درود پڑھا ہے اسے تو قبول فرما اور اس کے ثواب کو اپنے پیارے رسولؐ کے واسطے سے تمام انبیاء کرام، اہل بیت عظام، صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور جملہ مومنین و مؤمنات کے سلسلہ سے اس بزرگ کی روح کے لئے قبول فرمالے جس کی نیت سے میں نے یہ فاتحہ پڑھی ہے۔ اگر اس فاتحہ کیساتھ کوئی کھانا وغیرہ بھی کیا ہے اور غریبوں کو کھلایا ہے تو اس کے ثواب کیلئے پھر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا چاہیئے اور روح کے حق میں دعا کرنا چاہیئے کہ یا اللہ اسکی قبر میں اپنی رحمت نازل فرما آخرت کی عزت عطا فرما، قبر کے عذاب اور دوزخ کی آگ سے بچا اور اسکے مرتبے بلند فرما اگر کوئی شخص ثواب کی نیت سے کوئی نیکی کرتا ہے تو بغیر بخشے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ عنایت سے اسکا ثواب اسکو پہنچتا ہے اور اسکی روح پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جب قبر پر یا قبرستان میں جانا ہو تو اس طرح کہنا چاہیئے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ یعنی اے اہل قبور اللہ تعالیٰ تم پر سلامتی نازل فرمائے۔ ہمارے تمہارے گناہوں کو بخشے، تم ہم سے پہلے چلے گئے ہو ہم تمہارے پیچھے آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

تمت

تسخیر القلوب

ہدیہ: ساٹ روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

قلب انسانی ہوں یا حیوانی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ مسخر ہوجائے تو اس کتاب کو حاصل کرکے اس میں تحریر شدہ روحانی نسخوں پر عمل کیجئے۔ چند روز کے عمل کے بعد آپ خود متحیر ہوں گے کہ افعی اور شیر ایسا موذی جانور بھی آپ کے عمل کے زیر اثر ہوکر آپ سے محبت کرنے لگے گا۔

تسخیر دل

ہدیہ: ساٹ روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

معشوق جس قدر بھی سنگدل ہو یا دشمن یا حاکم کتنا ہی ظالم وجابر کیوں نہ ہو۔ اگر آپ اس کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کا ہو کر رہے تو آپ اپنی پہلی فرصت میں اس کتاب کو حاصل کریں اور عمل تسخیر سے مدد لیں یقین کیجئے کہ آپ کامیاب ہوں گے۔

نقش سلیمانی ہر چہار حصہ

مجلد

ہدیہ: پچیس ۲۵ روپے علاوہ خرچ ڈاک

احباب اور شائقین کے اصرار پر ہم نے کتاب مذکورہ بالا کے چاروں حصوں کو مجموعی طور پر یکجا کرکے مجلد کرا دیا ہے ان چاروں حصوں کی یکجائی نے کتاب کی اہمیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

تسخیر ہمزاد

ہدیہ: آٹھ روپے علاوہ خرچ ڈاک

رضی جونپوری کی نادر و نایاب تالیف۔ تسخیر ہمزاد کے طریقے اور عمل۔ ہمزاد کی قوت پرواز ہمزاد کی مزاجی حالت اور اس سے کام لینے کا طریقہ۔ غرض کہ ہمزاد کے بابت مکمل معلومات اور فوائد سے یہ کتاب پُر ہے جو آپ کی پوری مدد کرے گی۔

تردید سحر

ہدیہ: چھ روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

جادو، ٹونا، ٹوٹکا۔ سفلی اثرات اور ہر ان منتروں کے ناقص اثرات کو جو غیر اللہ سے متعلق ہیں زائل کرنے والی اور جائز طریقہ پر نفع پہنچانے والی یہ کتاب حال میں منظر شہود پر آکر برابر فائدہ پہنچا رہی ہے۔

اسم اعظم

ہدیہ: سات روپے علاوہ خرچ ڈاک

اسم اعظم کے فوائد اور اللہ کے اسماء پاک کے ذریعے مشکل سے مشکل اور ناقابل حل امر کو آسان اور قابل حل بنانے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کے ذرائع اور طریقے آپ کو اس کتاب میں نمایاں طور پر ملیں گے۔

امین برادرس ناشران و تاجران کتب آرام باغ روڈ نزد حبیب بنک کراچی ۱

کنزالحسین
اُردو ترجمہ

غلام حسین رتال کی شہرہ آفاق کتاب کنزالحسین فارسی کا اُردو ترجمہ جو ہمہ اقسام کی غلطیوں سے پاک ہے اور بڑی کاوشوں سے دُرست کیا گیا ہے۔ چھپ کر تیار ہے اس کتاب کی مقبولیت سے آپ خود بھی اچھی طرح واقف ہیں صرف اسقدر لکھنا کافی سمجھا جاتا ہے کہ اس کتاب میں آپ کے ہر دُکھ درد کا علاج موجود ہے۔

ہدیہ :- ۲۵ پچیس روپیہ علاوہ خرچ ڈاک

وظائف اولیاء

وظیفہ و وظائف کی یہ نادر و نایاب کتاب ان وظیفہ وظائف سے مزین ہے جو اولیاء اللہ کے ورد میں آچکے ہیں اور جن کے بے مثل اثرات اہل دنیا اپنی نظروں سے دیکھ چکے ہیں معہ ترکیب وظیفہ خوانی اس کتاب میں یکجائی طور پر مجتمع کئے ہیں، جن سے آپ اپنی دنیا و آخرت دونوں سنوار سکتے ہیں۔

ہدیہ : دس روپے علاوہ خرچ ڈاک

ہماری زیر طبع کتابیں
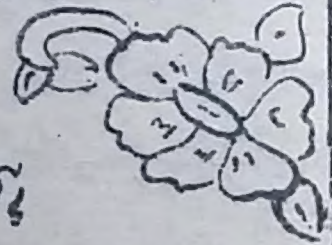
سوانح حیات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سوانح حیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سوانح حیات حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سوانح حیات حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ سوانح حیات حضرت مولٰی علی رضی اللہ عنہ۔ سوانح حیات شہید کربلا حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ، سوانح حیات اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی، سوانح حیات حضرت بلال رضی اللہ عنہ :-

ابین برادرس ناشران و تاجران کتب پوسٹ بکس ۱۵ آرام باغ روڈ نزد حبیب بنک کراچی ۱

طلب کیجئے! کس کتاب کی آپ کو ضرورت ہے

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	جواہر خمسہ اصلی	۳۰—۰	۳۱	صوفیائے کرام کے وظائف	۱۵—۰
۲	کنز الحسین (اردو ترجمہ)	۲۵—۰	۳۲	گنجینۂ الفت	۸—۰
۳	رموز جفر	۲۰—۰	۳۳	نقش سلیمانی اول	۵—۰
۴	مفتاح الجفر مجلد	۲۵—۰	۳۴	مجربات سلیمانی دوم	۵—۰
۵	مفتاح النجوم	۱۰—۰	۳۵	تعویذ سلیمانی سوم	۵—۰
۶	تسخیر کواکب	۱۰—۰	۳۶	بیاض سلیمانی چہارم	۵—۰
۷	حرز سلیمانی	۲۵—۰	۳۷	جدید مسمریزم	۸—۰
۸	اکسیر العملیات	۲۵—۰	۳۸	اندر جال	۸—۰
۹	تسخیر العملیات	۱۵—۰	۳۹	پامسٹری علم قیافہ	۸—۰
۱۰	اعجاز العملیات	۱۵—۰	۴۰	تردید سحر	۶—۰
۱۱	اسرار العملیات	۱۵—۰	۴۱	الحاجات	۶—۰
۱۲	طب روحانی	۱۲—۰	۴۲	عملیات محبت	۸—۰
۱۳	وظائف اولیاء	۱۰—۰	۴۳	خزانہ آیات نور	۸—۰
۱۴	عملیات اولیاء	۱۰—۰	۴۴	تسخیر سفلی	۱۰—۰
۱۵	آئینہ انگشتری	۱۲—۰	۴۵	نقش الحروف	۱۰—۰
۱۶	نقش سلیمانی مجلد	۲۵—۰	۴۶	خواب نامہ یوسفی	۸—۰
۱۷	عجائبات الو	۸—۰	۴۷	فالنامہ قرآنی	۸—۰
۱۸	تسخیر جنات	۱۰—۰	۴۸	مصر کا جادو کلاں	۱۲—۰
۱۹	تسخیر ہمزاد	۸—۰	۴۹	تحفۃ العمل	۱۲—۰
۲۰	تسخیر دل	۸—۰	۵۰	قانون محبت المعروف کالا جادو	۱۰—۰
۲۱	تسخیر القلوب	۸—۰	۵۱	گھر کا مداری	۲—۰
۲۲	اصطلاح العملیات	۸—۰	۵۲	مصر کا جادو	۲—۰
۲۳	اسم اعظم	۸—۰	۵۳	بیمانہ کا جادو	۲—۰
۲۴	تاثیر سلیمانی	۶—۰	۵۴	چین بنگال کا جادو	۲—۰
۲۵	عملیات ربانی	۱۰—۰	۵۵	بنگال کا جادو	۲—۰
۲۶	نقش روحانی	۶—۰	۵۶	جادو کے کھیل	۲—۰
۲۷	مہر سلیمانی	۶—۰	۵۷	نقش معظم	۸—۰
۲۸	گوہر سلیمانی	۸—۰	۵۸	گنجینۂ عملیات	۱۵—۰ (۵۸ و ۵۹)
۲۹	نقوش محبت	۸—۰	۵۹	وظائف قادری	
۳۰	طلسمات عجائب	۱۲—۰	۶۰	عملیات مشکل کشا	۶—۰
۶۱	خزینہ عملیات	۶—۰	۶۲	وظائف حل المشکلات	۹—۰

امین برادرس کراچی

Scanned with CamScanner